



ہم کو اسے تیری نظر میں دھنسا

مریم زین



”ان کے معدہ میں رسولی ہے اس لیے ان کا آپریشن کرنا ضروری ہے ورنہ زہر سارے جسم میں پھیل جائے گا۔“

ڈاکٹر کی فیس ہسپتال کے اخراجات دیوانیوں کا خرچ سب ملا کر کافی بڑی اماؤنٹ بنتی تھی۔ مسلسل سوچنے پر بھی کوئی حل اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اگر امی کو کچھ ہو گیا تو یہ سوچ اسے ناگ کی طرح ڈس رہی تھی۔

”سنیں! اندر جو پیشہ ہیں آپ کو بلا رہی ہیں۔“ نرس نے اسے مخاطب کر کے کہا تو اس کے مردہ جسم میں جیسے جان آ گئی۔ وہ جلدی سے اٹھنے لگی لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی مسلسل ایک ہی پوزیشن میں بیٹھنے سے اس کے ہاتھ پاؤں بالکل سن ہو گئے تھے۔ وہ بڑی مشکل سے چل کر اندر آئی۔ سامنے بیڈ پر ماں کو دیکھ کر اس کا دل چاہا وہ اوچی آواز میں رونا شروع کر دے۔ ایک ہی دن میں ان کی حالت

ہاسپتال کے بیچ پر بیٹھے ہوئے اسے دو گھنٹے ہو گئے تھے۔ مسلسل حرکت کرتے ہوئے اس کے لب اب خاموش تھے آنکھوں کے آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ وہ ایک ٹک سامنے دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ اکیلا پن اور اس کا خوف کیا ہوتا ہے ان دو گھنٹوں میں اسے یہ احساس ہو گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے تک سب ٹھیک تھا کہ اچانک اس کی امی کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وہ اکیلی ان کو سنبھالتی ہوئی پریشان تھی۔ جب ان کی حالت زیادہ خراب ہونے لگی تو وہ بھاگ کر ساتھ والی آنٹی کے پاس آ گئی پھر ان کی مدد سے وہ ماں کو ہسپتال لے آئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ آنٹی چلی گئیں تب اب تک وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ اس کا اپنی ماں کے سوا اس دنیا میں کوئی نہ تھا اس کی امی اور ابو دونوں اکلوتے تھے اور وہ بھی اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس کے ابو کو فوت ہوئے چار سال گزر چکے تھے۔ کچھ دیر پہلے ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا کہ

مکمل ناول



کافی خراب ہو گئی تھی۔ وہ ان کے قریب آ کر کھڑی ہوئی۔ آہٹ پر تہینہ نے اپنی آنکھیں کھول دیں تو ان کی نظر کرن پر پڑی تو انہوں نے اشارے سے اسے قریب بلا لیا تو کرن نے اپنا سر ان کے سینے پر رکھ کر رونا شروع کر دیا تو تہینہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اس کا سر اونچا کیا۔

”بیٹا ایسے نہیں روتے دیکھو اب تو میں ٹھیک ہوں۔“ تہینہ نے مسکرا کر اس کو تسلی دی پھر کچھ سوچ کر بولیں۔

”میرے پرس میں ایک ڈائری ہے اس میں جمال صاحب کا فون نمبر ہے انہیں فون کرو۔ پہلے اپنے ابو کا حوالہ دینا اور پھر انہیں کہنا کہ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں پھر پتہ نہیں بعد میں مل سکوں یا نہ۔“ کرن جو بہت غور سے ان کی بات سن رہی تھی آخری بات پر رونے لگی۔

”امی ایسے مت کہیں میرا تو سوچیں میں کیا کروں گی۔“ تہینہ نے پھر اسے ساتھ لگالیا۔

”کرن ایسا نہیں کہتے جاؤ جلدی سے فون کر کے آؤ۔“ تو کرن نے سائیڈ سے پرس اٹھایا اور ڈائری میں سے نمبر ڈھونڈنے لگی۔ نمبر ملنے کے بعد وہ باہر ریسپشن میں آئی۔

”مجھے ایک فون کرنا ہے۔“ اس کے کہنے پر ریسپشن پر موجود آدمی نے فون سیٹ اس کے آگے سرکا دیا تو وہ جمال احمد کا نمبر ملانے لگی۔ تیسری ٹیکل پر کسی نے فون اٹھالیا۔ سلام کرتے ہی اس نے جمال احمد کے بارے میں پوچھا تو دوسری طرف سے اس کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کون ہے۔

”انہیں بتائیں کہ صغیر نواز کی بیٹی کا فون ہے۔“ چند سیکنڈ کے بعد اس نے ایک دوسری آواز سنی۔

”ہیلو بیٹا میں جمال ہوں سب خیریت تو ہے نا؟“ جمال احمد نے تشویش سے پوچھا تو آسو ایک دفعہ پھر کرن کی آنکھوں سے نکلنے

لگے۔

”انکل میں کرن بول رہی ہوں۔“

”ہاں بیٹا میں جانتا ہوں تم رو کیوں رہی ہو؟ سب ٹھیک تو ہے؟“ اب جمال احمد واقعی پریشان ہو گئے تھے۔

”انکل امی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ میں فون کر کے آپ کو بلا دوں۔“

”کون سے ہسپتال میں ہیں؟“ جمال احمد کے پوچھنے پر کرن نے انہیں ہسپتال کا بتایا۔

”اچھا بیٹا میں کچھ گھنٹوں میں پہنچ رہا ہوں تم پریشان مت ہونا اور بھابی کا دھیان رکھنا۔“

فون رکھنے کے بعد وہ واپس کمرے میں آ گئی۔ لیکن تہینہ دو ایویں کے زیر اثر سو رہی تھیں تو وہ باہر اسی بیچ پر آ کر بیٹھ گئی۔

اسے یہاں بیٹھے ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا شاید دو گھنٹے اس نے ارد گرد دیکھ کر جان نہ لیا شاید درمیان میں اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ بھی نرس اس کی طرف آئی۔

”بی بی! آپ آپریشن کے لیے رقم جمع کروا دیں تاکہ آپ کی والدہ کا آپریشن کیا جاسکے۔“ تو کرن پریشان ہو کر نرس کی شکل دیکھنے لگی کیونکہ تہینہ نے اسے رقم کے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔

اس سے پہلے کہ کرن کوئی جواب دیتی ایک آدمی ان کے پاس آ کر رک گیا۔

”ایکسکوز می! مسز تہینہ صغیر کا روم یہی ہے؟“ آنے والے نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا بھی اس کی نظر کرن پر پڑی تو وہ مسکرا دیا۔

”میں جمال احمد ہوں آپ کرن ہونا؟“

ان کے کہنے پر کرن نے سر اشارات میں ہلا دیا تو وہ آگے بڑھ آئے اور اس کو گلے سے لگا لیا۔ ان کے گلے لگتے ہی کرن پھر سے رونے لگی۔

”نہیں بیٹا روتے نہیں؟ تم تو اتنی بہادر ہو

”بھائی صاحب آپ کو جانتے ہیں میرا اس دنیا میں سوائے صغیر کے کوئی رشتہ نہ تھا اور ان کے بعد جس طرح میں زندگی بسر کر رہی ہوں میں جانتی ہوں اکیلے جوان بچی کے ساتھ رہنا بہت مشکل ہے اور زندگی کا کوئی پتہ نہیں کب کیا ہو جائے۔ مجھے ہر وقت کرن کی فکر رہتی ہے۔ میرے بعد اس کا کیا ہوگا۔ آج کل زمانہ کس قدر خراب ہے آپ جانتے ہیں میں نے اسے بھی گھر سے باہر نہیں نکالا نہ اس کا کوئی رشتہ دار ہے اسے لوگوں کو پرکھنے ان سے ذیل کرنا بھی نہیں آتا۔ اس کی دنیا تو بس میرے تک محدود ہے۔ میں چاہتی ہوں میری زندگی میں وہ کسی مضبوط سہارے سے بندھ جائے تاکہ مجھے سکون ہو جائے۔ ایسے میں اگر میرے ذہن میں کوئی آیا جو میری مدد کر سکے تو وہ آپ تھے۔ میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں آپ کرن کے لیے کچھ کریں۔“ تہمینہ نے واقعی جمال احمد کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تو جمال احمد نے جلدی سے ان کے ہاتھ پکڑ لیے۔

”بھائی آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں کرن میری بھی بیٹی ہے۔ میں بیٹی کی طرح اس کا خیال رکھوں گا اور آپ کو کچھ نہیں ہوگا میں کرن کو اور آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔“

”نہیں بھائی صاحب میں کرن کے لیے ایک مضبوط حوالہ چاہتی ہوں جس پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے۔ میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتی لیکن آپ کے سوا میں کس پر یقین کر سکتی ہوں۔ پلیز بھائی صاحب میں نے بڑی مجبوری میں یہ بات کہی ہے پلیز کرن کے لیے کچھ کریں۔“ تہمینہ نے روتے روتے ان سے التجا کی۔ جمال احمد مشکل میں گرفتار ہو گئے تھے۔ وہ صغیر سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ ان کا دوست نہیں بھائی تھا صغیر کے حوالے سے انھیں اس سے جڑا ہر رشتہ عزیز تھا۔ پھر جیسے وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئے۔

چلو آنو صاف کرو میں آگیا ہوں ناں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جمال احمد نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

”دیکھیں آپ ریشن کے لیے رقم جمع کروا دیں۔“ نرس کے دوبارہ کہنے پر جمال احمد اور کرن دونوں اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”رقم کہاں جمع کروانی ہے؟“ جمال احمد نے نرس سے پوچھا تو وہ انھیں بتانے لگی۔

”کرن بیٹا تم یہیں رکو میں ابھی آتا ہوں۔“ چلو مرتضیٰ۔“ اسے کہنے کے بعد جمال احمد نے پیچھے کھڑے لڑکے سے کہا جسے کرنے اب دیکھا تھا۔

ان کے جانے کے بعد کرن اندر روم میں آگئی۔ تہمینہ جاگ رہی تھی تو وہ جلدی سے ماں کے قریب آگئی اور انھیں بتا دیا کہ جمال احمد آگئے ہیں۔ تو تہمینہ دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد جمال احمد اندر آگئے ان کے پیچھے وہ لڑکا بھی تھا۔ جمال احمد کو دیکھ کر تہمینہ اٹھنے لگیں تو انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

”بھائی آپ کی اتنی طبیعت خراب تھی اور آپ نے اتنی دیر سے مجھے اطلاع دی خدا نخواستہ کچھ ہو جاتا پھر؟“ جمال احمد کی بات پر ایک تھکی سی مسکراہٹ تہمینہ کے چہرے پر آگئی۔

”بھائی صاحب مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔“ کچھ دیر توقف کے بعد تہمینہ نے کہا تو جمال احمد تہمینہ کی طرف دیکھنے لگے۔

”کرن تم لوگ باہر جاؤ۔“ تہمینہ کے کہنے پر کرن نے حیران ہو کر ماں کو دیکھا۔ پھر باہر نکل آئی۔ اس کے پیچھے پیچھے وہ لڑکا بھی حیران پریشان باہر گیا اور اس کے کچھ فاصلے پر اسی بیچ پر بیٹھ گیا۔

”ڈیڈی بھی عجیب ہیں۔“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تو کرن اس کی طرف دیکھنے لگی۔

بول رہی ہوں۔“

”اب جمال احمد“

جست بہت خراب ہے

ن فون کر کے آپ

میں ہیں؟“

جمال احمد

اس میں پہنچ رہا ہوں

اوصیان رکھنا۔“

و واپس کمرے میں

یہ زیر اثر سو رہی تھیں

کافی وقت گزر گیا

رد دیکھ کر جائزہ لیا

لگ گئی تھی۔ کبھی

لیے رقم جمع کروا

ن کیا جاسکے۔“ تو

دیکھنے لگی کیونکہ

میں کچھ بتایا ہی

واب دیتی ایک

غیر کا روم یہی

اشارے سے

وہ مسکرا دیا۔

کرن ہوتا؟“

میں ہلا دیا تو وہ

لگا لیا۔ ان

گئی۔

اتنی بہادر ہو

سامنے علی اور ماما کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

”میا آپ اور یہاں سب خیریت ہے ناں؟“ مرتضیٰ نے شایدہ کو دیکھ کر پوچھا۔

”ہاں جمال کا لون آیا تھا ابھی آدھا گھنٹہ پہلے پہنچے ہیں۔“ شایدہ نے اسے دیکھ کر کہا تو وہ علی کی طرف مڑ گیا۔

”مرتضیٰ بیٹا میری بات سننا۔“ جمال احمد کی آواز پر وہ ان کی طرف پلٹا تو وہ اسے لے کر ایک کمرے میں آ گئے۔ اس کے پیچھے شایدہ اور علی بھی آ گئے۔

”مرتضیٰ بیٹا میں جو تم سے کہنے لگا ہوں اسے دھیان سے سننا اور مجھے غلط نہ سمجھنا۔“ باپ کی بات پر مرتضیٰ نے ابجھن بھری نظروں سے ان کو دیکھا۔

”بیٹا تم نے دیکھا ہے نہ کہ بھائی کی طبیعت کتنی خراب ہے اور دوسرا تم جانتے ہو میں صغیر سے کتنا اچھا تھا۔“ اتنا کہہ کر جمال احمد رک کر مرتضیٰ کا چہرہ دیکھنے لگے۔ تو مرتضیٰ نے حیرت سے باپ کی طرف دیکھا۔ وہ ان کی بے ربط باتوں کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

”ڈیڈی آپ پکیز کھل کر بات کریں۔“ مرتضیٰ نے جمال احمد سے کہا تو انھوں نے ایک گہرا سانس لیا پھر بولے۔

”بیٹا بھائی اس دنیا میں بالکل اکیلی ہیں اور بیماری کی وجہ سے وہ ڈر گئی ہیں اور بہت پریشان ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ کرن ان کے سامنے کسی مضبوط رشتے میں بندھ جائے۔ اس لیے میں نے ان سے تمھاری اور کرن کی شادی کی بات کی ہے۔“ وہ جو اتنی غور سے ان کی بات سن رہا تھا آخری بات پر وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔

”واٹ.....؟ ڈیڈی اس بات سے آپ کا مقصد کیا ہے۔ قربانی کے بکرے کے طور پر آپ کو میں ہی ملا تھا۔ کسی نے کہا میری بیٹی کی شادی کروا دو آپ نے اپنا بیٹا آگے کر دیا نہ میں اس لڑکی کو

”ٹھیک ہے بھائی آپ فکر مت کریں میں

آج ہی کرن اور مرتضیٰ کا نکاح کروا دیتا ہوں۔ مرتضیٰ کے بارے میں میں آپ کو گارنٹی دیتا ہوں وہ میرا سب سے ہونہار بیٹا ہے۔ ہاں ایک بات ہے کرن بہت چھوٹی ہے کم از کم آٹھ سال کا فرق ہے لیکن اگر احد یہاں ہوتا تو میں اس سے کرن کا نکاح کرواتا لیکن اس وقت مرتضیٰ ہی میرے ساتھ ہے اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو.....؟“

جمال احمد نے تہینہ کو دیکھ کر کہا جو ابھی تک حیران کیفیت میں جمال احمد کو دیکھ رہی تھیں۔

”بھائی صاحب مرتضیٰ ہو یا احد میرے لیے صرف اتنا کافی ہے وہ آپ کا بیٹا ہے۔ میری کرن آپ کے پاس ہوگی ایک مضبوط رشتے کے حوالے سے۔“ تہینہ مسکرا دیں۔

”بھائی صاحب آج جو آپ نے میرے اور میری بیٹی کے لیے کیا ہے آج کے دوں میں کوئی اپنا بھی نہیں کرتا۔ میں آپ کا یہ احسان بھی نہیں بھول سکتی۔“ تہینہ نے مشکور نظروں سے جمال احمد کی طرف دیکھا۔

”آپ آرام کریں میں نکاح کا بندوبست کرتا ہوں۔“ یہ کہہ کر جمال احمد باہر نکل آئے انھیں باہر نکلتا دیکھ کر مرتضیٰ اور کرن بھی کھڑے ہو گئے۔

”بیٹا آپ اپنی امی کے پاس بیٹھو میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔“ جمال احمد نے کرن سے کہا تو وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”ڈیڈی سب ٹھیک تو ہے۔“ مرتضیٰ نے باپ کو پریشان دیکھ کر پوچھا۔

”ہاں سب ٹھیک ہے اپنا موبائل ذرا مجھے دو۔ اور تم اپنے دوست سے ملنے کا کہہ رہے تھے تو جاؤ مل آؤ لیکن چار بجے تک لوٹ آنا۔“ مرتضیٰ نے باپ کو ابھی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ جمال احمد کے کہنے پر مرتضیٰ نے اپنا موبائل باپ کو دیا۔

”شام کو جس وقت وہ ہسپتال پہنچا تو

جانتا ہوں اور نہ ہی آج سے پہلے اس سے ملا ہوں اور پر سے وہ مجھ سے اتنی چھوٹی ہے میں میری سمجھ میں نہیں آ رہا آپ نے ایسا سوچا بھی کسے؟“ غصے کی شدت سے اس سے بات ہی نہیں ہو رہی تھی۔

”بیٹا تم اپنے ڈیڈی کی بات سمجھنے کی کوشش تو کرو۔“ شاہدہ نے آگے بڑھ کر مرتضیٰ کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”سمجھو اب یہ بھی میں سمجھوں سمجھنا تو آپ لوگوں کو چاہیے یہ کوئی چند گھنٹوں کا کھیل نہیں میری پوری زندگی کا سوال ہے میں کسی سمجھوتے کے تحت زندگی بسر نہیں کر سکتا اتنا حق تو لوگ لڑکیوں کو بھی دیتے ہیں۔ ڈیڈی! آپ نے مجھ سے پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ میں کیا چاہتا ہوں مجھ کی پسند کیا ہے کم از کم آپ سے مجھے ایسی امید نہ تھی۔“ مرتضیٰ نے شاکی نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔

جمال صاحب نے نظریں اٹھا کر اپنے بیٹے کو دیکھا جو ان کا سب سے فرمانبردار بیٹا تھا۔ انھیں اندازہ تھا کہ اسے دکھ پہنچا ہے ورنہ وہ بھی اتنی بدتمیزی سے بات نہ کرتا لیکن وہ بھی مجبور ہو گئے تھے۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گئے۔

”مرتضیٰ میں جانتا ہوں کہ میں نے تمہاری مرضی کے بغیر یہ فیصلہ کیا ہے تو کیا ایک باپ کو اتنا بھی حق نہیں کہ وہ اپنے بیٹے سے اتنی امید رکھے کہ وہ دوسروں کے سامنے سرخرو ہو سکے۔ مجھے تم پر مان تھا بس اس بناء پر اتنا بڑا فیصلہ کر گیا۔ میں بھائی سے وعدہ کر چکا ہوں تم چاہو تو انکار کر سکتے ہو اور اگر چاہو تو میرے لفظوں کی عزت رکھ سکتے ہو۔ تم اب بڑے ہو گئے ہو میں صرف تم سے درخواست ہی کر سکتا ہوں۔“ انھوں نے کہا تو وہ تڑپ کر آگے بڑھا اور ان کے ہاتھ پکڑ لیے۔

”ڈیڈی! آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں لیکن آپ کو ایک بار میرے بارے میں سوچنا

آپ اور یہاں سب خیر تھے۔ شاہدہ کو دیکھ کر پوچھا۔ جمال کا فون آیا تھا ابھی آدھا گھنٹہ۔ شاہدہ نے اسے دیکھ کر کہا۔

بیٹا میری بات سننا۔“ جمال ان کی طرف پلٹا تو وہ اسے لے کر گئے۔ اس کے پیچھے شاہدہ اور

بیٹا میں جو تم سے کہنے لگا ہے سننا اور میرے غلط نہ سمجھنا۔ بابی نے ابھٹن بھری نظروں سے

نے دیکھا ہے نہ کہ بھائی کی طبیعت اور دوسرا تم جانتے ہو میں منہ سے اتنا کہہ کر جمال احمد رک کر ہٹے لگے۔ تو مرتضیٰ نے حیرت سے دیکھا۔ وہ ان کی بے ربط

پہلیز کھل کر بات کریں۔“ حمد سے کہا تو انھوں نے ایک

دنیا میں بالکل اکیلی ہیں اور وہ ڈر گئی ہیں اور بہت پریشان ہیں کہ کرن ان کے سامنے کیا بندھ جائے۔ اس لیے میں اور کرن کی شادی کی بات کی اس سے ان کی بات سن رہا تھا

نی جگہ سے اچھل پڑا۔ ڈیڈی اس بات سے آپ کے بکرے کے طور پر آپ نے کہا میری بیٹی کی شادی کرو

جسے لے
ابتداءً ایتنا سی سی
میں
امتیحون میں یاں کامیابی حاصل کر کے ہے

اسیے جانے پہچانے اور آمرو



کامٹا لے کیجئے

اپنے شہر کے کتب فروش سے طلب کریں
یا

راہ راست ہمیں لکھیں

درسی کتب خانہ چوک اور بازار لاہور

ضرور چاہیے تھا۔“ اس نے ہارے ہوئے انداز میں کہا وہ ان کے سامنے مجبور ہو گیا تھا وہ اپنے باپ سے اتنا پیار کرتا تھا کہ انہیں دیکھ کر دلچسپ نہ تھا اور اس بات کا اندازہ جمال کو اچھی طرح سے تھا۔

”خوش رہو..... سدا خوش رہو تم نے اپنے باپ کی عزت رکھ لی اور میں تمہیں جانتا ہوں اور تمہاری پسند کو بھی تم دیکھنا آج شاکی ہو لیکن ایک وقت آئے گا جب تم میرے اس فیصلے کو سراہو گے۔ میرے فیصلے کا اس دن تمہیں اندازہ ہوگا اور تم میرے انتخاب پر فخر کرو گے۔“ جمال احمد نے خوشی سے اس کا چہرہ چوم لیا تو وہ محض انہیں دیکھ کر رہ گیا۔ ان کے پاس کھڑے علی اور شاہدہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

کرن جب کمرے میں داخل ہوئی تو تہینہ ایک ٹیک چھت کو گھور رہی تھی ان کی آنکھیں اب بھی نم تھیں۔

”امی.....!“ اس کے پکارنے پر تہینہ نے اس کی طرف دیکھا تو مسکرا کر اسے اپنے پاس بلا لیا۔

”بیٹا بعض اوقات انسان ایسے فیصلے کر جاتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا لیکن ایسا قسمت میں لکھا ہوتا ہے بس حالات کچھ عجیب ہو جاتے ہیں۔“ کرن نے ابجھن بھری نظروں سے ماں کو دیکھا لیکن ان کا دھیان اس کی طرف نہیں تھا۔

”میں نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ میں تمہاری شادی ایسے کروں گی۔ تمہارے ابو اور میں نے تمہارے لیے بہت کچھ سوچا تھا لیکن تمہارے ابو کی موت نے مجھے ڈرا دیا ہے اور اپنی بیماری نے مجھے اتنا بڑا فیصلہ اچانک کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جمال بھائی میرے لیے ایک فرشتہ ثابت ہوئے ہیں۔ انہوں نے جو کیا ہے وہ اپنے

بھی نہیں کرتے۔“ تہینہ نے اپنی نظریں اب کرن پر مرکوز کر دیں جو ان کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”میں نے تمہاری شادی طے کر دی ہے آج تمہارا اور مرضی کا نکاح ہے۔“ کرن کے سر پر جیسے دھماکا ہوا۔ وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔ اس کو ایسے اعتماد دیکھ کر تہینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”بیٹا میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتی ہوں لیکن میں نے یہ سب تمہاری بھلائی کے لیے کیا ہے مرضی ایک بہترین لڑکا ہے اس جیسا تو میں بھی بھی تمہارے لیے نہ ڈھونڈ پاتی آج کل کے دور میں ہم کسی پر یقین بھی نہیں کر سکتے جبکہ جمال بھائی اور ان کی بیٹی پر میں آنکھ بند کر کے یقین کر سکتی ہوں۔“ اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی بات کرتیں جمال صاحب اندر گئے۔

”بھائی نکاح خواہ آ گیا ہے ساتھ میں میرا ایک دوست اور ان کی بیٹی ہے آپ کی اجازت ہو تو نکاح شروع کریں؟“

”بھائی صاحب اس میں اجازت کی کیا بات ہے۔“ تہینہ نے کہا۔

”مرضی جمال ولد جمال احمد‘ کرن صغیر بنت صغیر نواز کو بعض پانچ لاکھ حق مہر کے آپ کی زوجیت میں دیا جا رہا ہے کیا آپ کو قبول ہے؟“ نکاح خواہ نے کہا تو مرضی نے تین دفعہ قبول کر کے نکاح نامے پر دستخط کر دیئے۔ سائن کرتے ہی سب اس کو مبارکباد دینے لگے۔ اس نے باپ کی خاطر یہ قربانی دے تو دی تھی لیکن اب اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ساری دنیا کو ہنس نہس کر دے۔

کرن سے جب مرضی کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے تین دفعہ اقرار کر کے سارے حقوق اس شخص کے نام کر دیئے کیونکہ انکار کا تو جواز تب بنتا جب وہ کسی کو چاہتی یا اس کے پاس کوئی چوائس ہوتی۔ اس نے تو کبھی اس بارے میں سوچا بھی نہ تھا۔ ان لوگوں نے اس کی

تو وہ احترام ان کے سامنے جھک گیا۔
”ماشاء اللہ۔“ تمہینہ نے اس کی پیشانی چوم لی۔

”سدا خوش رہو بیٹا۔“ وہ کھڑا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کے انداز سے بے زاری جھلک رہی تھی۔

”مرضی یہاں آؤ بیٹا یہ انگلی کرن کو پہنا دو۔“ شاہدہ نے برس سے انگلی نکالتے ہوئے کہا تو اس نے ایسی نظروں سے ماں کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو اب اس ڈرامے کی کیا ضرورت تھی۔

شاہدہ نے کرن کو ساتھ کھڑا کیا تو مجبوراً اس نے انگلی پکڑ لی۔

”بیٹا ہاتھ آگے کرو۔“ شاہدہ کے کہنے پر کرن نے اپنا باپاں ہاتھ آگے کر دیا۔ مرضی نے انگلی اس کی انگلی میں پہنا دی تو سب مسکرا دیئے۔

”مما میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں اکیلے میں۔“ مرضی نے ماں سے کہا تو ایک لمحے کے لیے شاہدہ چپ کر گئی۔ اس نے تمہینہ کی طرف دیکھا تو انھوں نے مسکرا کر اجازت دے دی۔

”ہاں بیٹا ضرور کرو۔“ شاہدہ نے کہا تو مرضی باہر نکل گیا۔ کرن جانا نہیں چاہتی تھی اس کو کشمکش میں دیکھ کر شاہدہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”بیٹا جاؤ گھبرانے والی کوئی بات نہیں۔“ وہ اس کی جھجک کو محسوس کر رہی تھیں۔ تمہینہ نے بھی کہا تو مجبوراً وہ باہر گئی۔

مرضی باہر شاید اس کے انتظار میں ہی کھڑا تھا۔ اس کو آتا دیکھ کر اس نے قدم بڑھا دیئے۔ وہ باہر ہسپتال کے لان میں آ گیا اور ایک بیچ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ لان کا یہ حصہ نسبتاً سناں تھا وہ جیسی اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔

”بیٹھ جاؤ۔“ مرضی کے کہنے پر وہ بیچ پر بیٹھ

ماں کی خواہش کا احترام کر کے اس پر جوا احسان کیا تھا وہ ساری عمر اس کا بدلہ نہیں دے سکتی تھی۔ جمال انکل نے اپنے خون کے رشتوں سے بڑھ کر ان کے ساتھ کیا تھا۔

سائن کرنے کے بعد اس نے ماں کی طرف دیکھا وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ شاہدہ نے آگے بڑھ کر کرن کی پیشانی چوم لی اور جمال احمد نے بھی اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ شاہدہ تمہینہ کے پاس آئی تو تمہینہ نے شاہدہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”بھابی جوا احسان آج آپ لوگوں نے کیا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا میں کس منہ سے شکریہ ادا کروں۔“ تمہینہ کے کہنے پر شاہدہ مسکرا دی۔

”تمہینہ احسان کا لفظ استعمال کر کے تم ہمیں شرمندہ کر رہی ہو بلکہ احسان تو تم نے ہم پر کیا ہے اتنی پیاری بیٹی ہمیں دے دی ہے۔“ شاہدہ نے پیار بھری نظروں سے کرن کو دیکھا جو سر جھکائے جانے لگا سوچنے میں مصروف تھی۔

”اب تم کرن کی فکر کرنا چھوڑ دو وہ ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم سب اس کا بہت خیال رکھیں گے۔ تم جلدی سے بھیک ہو جاؤ۔“ شاہدہ کی بات پر تمہینہ مسکرا دی پھر خیال آئے پر بولیں۔

”بھابی آپ نے مرضی سے پوچھا تو تھا نا وہ خوش ہے؟“ تمہینہ کی بات پر شاہدہ ایک لمحے کے لیے چپ کر گئی تو جمال احمد جلدی سے آگے آئے۔

”ارے بھابی نا خوش ہونے والی کون سی بات ہے بس اچانک ایسا فیصلہ کیا ہے تو دونوں بچے گھبرا گئے ہیں۔“ جمال احمد نے تمہینہ کو سلی دینے کے انداز میں کہا۔ پھر علی کی طرف دیکھ کر بولے۔

”جاؤ مرضی کو بلا لاؤ۔“ تو علی باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر تک مرضی علی کے ساتھ آ گیا۔

”آؤ بیٹا یہاں آؤ اپنی آنٹی سے ملو۔“ شاہدہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تمہینہ کے آگے کیا

مئی۔ اس کی نظریں مسلسل جھکی تھیں۔ مرتضیٰ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا پھر اپنے دونوں ہاتھ ٹراؤزری جیبوں میں ڈال لیے۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں بات کیسے شروع کروں یہاں آج جو کچھ بھی ہوا میں نے ایسا سوچا بھی نہ تھا اور نہ اس میں میری مرضی اور خوشی شامل ہے۔ یہ سب کچھ میں نے ڈیڈی کی خاطر کیا ہے۔ یہ شادی صرف ایک مجبوری ہے اور مجبوری کا میں قائل نہیں۔ مجھے اس بات کا بھی انسوس ہے کہ تمہارے ساتھ بھی زیادتی ہوئی ہے..... میں نے اپنی شریک حیات کے بارے میں سوچا تھا جیسا تم اس سے بہت مختلف ہو۔ ایک بات رکھنا یہ سب مجبوری کا سودا ہے مجھ سے کوئی توقع مت رکھنا۔ میں اس سے شادی کروں گا جو مجھے پسند ہوگی۔ جس سے میرے خیالات ملتے ہوں گے۔ میں تمہیں ہرٹ کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن آئی ایم سوری یہ میری زندگی کا سوال ہے۔“ وہ نہایت سفاکی سے بول رہا تھا قطعی نظر اس کے کہ اس کے الفاظ اس کو کتنی تکلیف دے رہے ہیں۔ اس نے ایک نظر بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ مرتضیٰ نے اس کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔

”میں نے یہ سب اس لیے تم سے کہا ہے کہ میں تمہیں کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ یہ محض ایک کاغذی رشتہ ہے آئی ہوپ تم میری بات سمجھ گئی ہوگی اللہ حافظ۔“ یہ کہہ کر وہ مڑ گیا۔

اس کے جانے کے بعد اس نے نظریں اٹھا کر اسے جاتا دیکھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ جس رشتے میں جڑی تھی اور جس کو وہ ٹھیک طریقے سے محسوس بھی نہ کر پائی تھی وہ رشتہ شیشے کی دیوار ثابت ہوا جس کے ٹوٹنے پر ساری کڑیاں اسے اپنے جسم میں چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ آنکھوں میں آئے آنسوؤں نے سامنے کے منظر کو دھندلا کر دیا تو اس نے زور سے آنکھوں کو بند کیا تو

آنسو آنکھوں سے باہر نکل آئے اور سامنے کا منظر ایک بار پھر واضح ہو گیا۔ مرتضیٰ نے اسے وہ آج سے پہلے اس شخص کو جس کا نام مرتضیٰ جمال تھا جانتی بھی نہ تھی۔ اس نے اسے دیکھا بھی نہ تھا۔ آج وہ اس کے لیے روری تھی۔ اس کے نام سے اسے جو تحفظ ملا تھا اس کے کھو دینے کا دکھ تھا یا اپنے رد کیے جانے کا۔ وہ سمجھ نہیں رہی تھی اس سوال ایک بار پھر اس کے گال بھگو نے لگے۔ اسے اپنی قسمت پر رونا آ رہا تھا۔ کسی نے ترس کھا کر اس کو اپنا نام دیا پھر اس پر جتا دیا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ وہ رونا چاہتی تھی لیکن اسی لمحے اسے اپنی ماں کا چہرہ دکھائی دیا تو اس نے خود پر قابو پا لیا۔

”نہیں میں امی کو نہیں بتاؤں گی میں انہیں تکلیف نہیں دے سکتی۔“ اس نے جلدی سے آنسو صاف کیے اور خود کو تارمل کرتے ہوئے اندر قدم بڑھا دیے۔

”ہوگئی بات؟“ اس کو اندر داخل ہوتا دیکھ کر شاہدہ نے اس سے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

اگلے دن جب تنگ تہینہ کا آپریشن نہیں ہو گیا وہ سب وہیں اس کے پاس رہے۔ آپریشن کامیاب ہوا تھا۔ تقریباً ایک ہفتہ ہسپتال میں رہنے کے بعد تہینہ کو ڈسچارج کر دیا گیا۔ مرتضیٰ اسی دن چلا گیا تھا۔ پھر آنکل ایک ہفتہ ان کے پاس رہے۔ انھوں نے ان کا مکان بیچ دیا اور انھیں ساتھ لے کر لاہور آ گئے۔ تہینہ نے انھیں بہت منع کیا تھا لیکن ان کا کہنا تھا اب وہ انھیں اکیلا نہیں رہنے دیں گے۔

”بھابی کیسا لگا گھر آپ کو؟“ جمال صاحب نے تہینہ سے پوچھا۔

”بہت اچھا سب سے بڑھ کر اچھی بات تو یہ ہے کہ آپ لوگ ہمارے پاس ہیں۔“

”کوئی مسئلہ نہیں احمد کے دوست کی والدہ کا لڑکی پر پہل ہیں ان کے قہر وہ کام ہو سکتا ہے۔ تمھاری تیاری تو ہے تا تم بس ٹھیک دینا تمھارا دشمن سمجھو ہو گیا۔ پرسوں سے تم کا جانا شروع کر دینا اور تمھارے آنے جانے کی ذمہ داری بھی میری ہے احمد یا علی تمھیں چھوڑ کر بھی آئیں گے اور لے بھی آئیں گے۔“ جمال احمد نے اٹھتے ہوئے کہا تو تمہینہ اور کرن دونوں نے ممنون نظروں سے انھیں دیکھا۔

”اچھا بھالی اب چلتا ہوں اور کرن پرسوں میں علی یا احمد کو بیچ دوں گا تم تیار رہنا“ اوکے۔“ اس کے سر ہلانے پر وہ مسکرا کر باہر نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد تمہینہ آسودگی سے مسکرا دی اور کرن سے مخاطب ہوئیں۔

”میں اللہ کا جتنا شکر ادا کروں مجھے کم لگتا ہے کبھی کبھی مجھے یقین نہیں آتا میری بیٹی اتنی قسمت والی ہے کہ اسے اتنی چاہ کرنے والے لوگ ملے ہیں ورنہ جن حالات میں نکاح ہوا اگر بھائی انکار کر دیتی۔ بھائی صاحب نہ مانتے یا مرضی نہ مانتا تو میں کیا کر سکتی تھی لیکن نہ صرف انھوں نے اپنا بلکہ اتنی محبت سے اپنا یا میں بہت خوش ہوں میری بیٹی اتنی قسمت والی ہے۔“ تمہینہ نے کرن کا منہ چوم کر کہا۔

”تم بیٹھو میں ذرا نماز پڑھ لوں تا تم نکل رہا ہے۔“ کرن نے ماں کو جانا دیکھا تو وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔

”امی آپ غلط سوچ رہی ہیں میں قسمت والی نہیں قسمت والی ہوتی تو مرضی مجھے ناپسند نہ کرتا۔ واقعی انکل اور آنتی کی چاہ بہت زیادہ تھی جو بغیر کسی لالچ کے اس سے اتنا پیار کرتے تھے ورنہ وہ بہت امیر تھے اور ایک امیر بہو کی خواہش کر سکتے تھے لیکن نہیں وہ سب ایسے پیار کرتے تھے جیسے وہ پتہ نہیں کیا چیز ہو۔ لیکن مرضی سے اس کا رشتہ تھا۔ ایک دن جب وہ ختم کرے

”چلو کرن بیٹا اچھی سی جائے پلاؤ۔“ جمال احمد کے کہنے پر وہ چن میں آ گئی۔ وہ لوگ پرسوں ہی لاہور شفٹ ہوئے تھے۔ ڈیٹس کا یہ ایم یا کافی شاندار تھا۔ انکل نے اپنے گھر کے پاس ہی ان کو علیحدہ گھر لے دیا تھا۔ یہ بھی ایک بچہ تھا جس کا اوپر والا پورشن کرائے کے لیے خالی تھا۔ اب وہ لوگ یہاں شفٹ ہو گئے تھے۔ نیچے والے حصے میں مالک مکان خود رہتے تھے۔ وہ دونوں میاں بیوی تھے جس کے دو بیٹے اپنی قیامی کے ساتھ امریکہ رہتے تھے۔

”انکل چائے۔“ کرن نے چائے رکھتے ہوئے کہا تو انھوں نے کپ پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

”واہ بھی اسے چائے کہتے ہیں مزہ آ گیا۔“ انھوں نے کرن کو داد دیتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر چائے پینے لگی۔

”ویسے بھابی اگر آپ ہمارے ساتھ رہیں تو زیادہ اچھا تھا۔“

”بھائی صاحب پہلے اور بات تھی لیکن اب اچھا نہیں لگتا۔“ انھوں نے مرضی اور کرن کے حوالے سے کہا۔

”اور ویسے بھی خالد صاحب اور ان کی بیگم بہت اچھے ہیں اور پھر آپ لوگ بھی نزدیک ہیں تو مسئلہ ہی نہیں۔“ تمہینہ کی بات پر جمال احمد نے سر ہلادیا اور کرن کی طرف متوجہ ہوئے۔

”بیٹا اب تمھارا کیا ارادہ ہے۔ تم یہاں ایڈمشن لے لو وہاں تمھاری تھرڈ ایئر کی کلاسیں ہو رہی تھیں؟“ جمال احمد کے پوچھنے پر کرن نے سر ہلادیا۔

”انکل پر موشن ٹیٹ ہونے والے تھے اور کچھ دنوں تک فور تھرڈ ایئر کی کلاسیں شارٹ ہوئی تھیں۔“

”ہوں۔“ جمال احمد نے کرن کی بات سن کر ہنکارا پھر پھر کچھ سوچ کر بولے۔

خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔ اسے رمشا سے ایسے ہی رد عمل کی امید تھی۔

”اور وہ جو ہمارے درمیان انڈر شیڈنگ ہے بلکہ کسی اس کو میں کیا سمجھوں؟“ وہ کچھ دیر اس کی طرف دیکھتی رہی پھر ایک دم کھڑی ہوئی اور باہر نکل گئی۔

مرٹنی نے اسے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ اگر روک بھی لیتا تو اسے کہتا کیا۔ اس نے غصے سے اپنا دایاں ہاتھ ٹبل پر دے مارا۔ اگر اس وقت کرن اس کے سامنے ہوتی تو وہ یقیناً اس کا گلہ دبا دیتا جو زبردستی اس کے گلے باندھ دی گئی تھی۔ اسے اس وقت اس لڑکی سے نفرت محسوس ہو رہی تھی جس کو اس نے غور سے دیکھا بھی نہ تھا۔

وہ آفس جانے کی بجائے سیدھا گھر آ گیا۔ جونہی وہ گیٹ سے اندر داخل ہوا کوئی چیز پوری طاقت سے اس کی ٹانگ کو لگی۔ اس نے نظر اٹھا کر سامنے لان میں دیکھا جہاں کچھ فاصلے پر سامنے والوں کے دو بچے آ زر اور عاصم ان سے کچھ فاصلے پر بیٹ پکڑے کرن کھڑی تھی وہ پہلے سے کافی غصے میں تھا اوپر سے کرن کو دیکھ کر اس کا پارامزید چڑھ گیا۔ وہ سیدھا ان لوگوں کی طرف آیا۔

”تم بچے ہو جو محلے کے بچوں کو اکٹھا کر کے کھیل رہے ہو۔“ اس نے غصے سے علی کو کہا تو اس نے سر نیچے جھکا دیا۔ وہ پہلے ہی مرٹنی کو اندر آتے دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ وہ غصے میں ہے گھر میں سب سے زیادہ غصہ مرٹنی کو آتا تھا۔ وہ بچی اور گڑیا کو لے کر وہاں سے کھسک گیا۔ کرن بھی اسے دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ وہاں سے ہتی مرٹنی نے اپنی توپوں کا رخ اس کی طرف کر دیا۔

”اور تم..... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ تمہیں اگر کھیلنے کا اتنا ہی شوق ہے تو یہ شوق اپنے گھر پورا

گاسب ختم ہو جائے۔ تب ہی تب آپ کو چھوٹے چلے گا میں بد نصیب ہوں یا خوش نصیب ہوں۔ اس نے تھک کر سر صوفے کی پشت سے نکا دیا۔

”مرٹنی کیا بات ہے میں کافی دنوں سے دیکھ رہی ہوں تم کچھ پریشان ہو۔“ رمشا نے مرٹنی کو مسلسل خاموش دیکھ کر پوچھا۔ وہ لہجے کے لیے اس ریسورٹ میں ہی آتے تھے۔

”کچھ خاص بات نہیں بس ایسے ہی۔“ مرٹنی نے پانی کا گلاس اٹھا کر یوں سے لگا لیا۔

”مرٹنی ہم اچھے دوست ہیں میرا خیال ہے اگر تم مجھ سے اپنی پریشانی شیئر کرو تو شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔“ رمشا نے اپنا ہاتھ مرٹنی کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

مرٹنی نے ایک نظر رمشا کو دیکھا پھر خاموشی سے سامنے دیکھنے لگا۔ اس کی خاموشی پر رمشا نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور پانی کا گلاس اٹھا لیا۔

”ڈیڈی نے میرا نکاح کر دیا ہے۔“ کچھ دیر بعد جب وہ بولا تو پانی پیتی ہوئی رمشا کو اچھو لگ گیا۔ جب وہ نارمل ہوئی تو حیرت سے مرٹنی کو دیکھنے لگی۔

”انہوں نے تمہارا نکاح کر دیا اور تم نے بان لیا۔“ رمشا نے غصے سے پانی کا گلاس ٹبل پر مچا دیا۔

”تو اور کیا کرتا اس وقت حالات ہی ایسے تھے کہ بس مجبور ہو گیا تھا۔“

”اوکم ان مرٹنی تم بچے تو نہیں تھے کہ انہوں نے ہاتھ پکڑ کر زبردستی تم سے سائن کروا لیے یا تم ان پر ڈیپنڈ کرتے تھے جو ان کی بات نہ ماننے پر وہ تمہیں گھر سے نکال دیتے اور یہ ہی تم ایک لڑکی تھے جو ماں باپ کی دھمکی پر ڈر جاتی ہے۔ میں بھی لڑکی ہوں لیکن میرے پیرنس میری مرضی کے بغیر میری شادی تو کیا میری منگنی بھی نہیں کر سکتے۔“ رمشا کی غصے سے بری حالت ہو رہی تھی۔ مرٹنی

کل رات کو آیا اور آج سارا دن تمہارا انتظار کرتا رہا۔ تم آئی ہی تھی۔ پھر ممانے بتایا تم ایک ہفتے سے نہیں آ رہی کیوں؟“ احد نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

”بھائی کالج سے آ کر بس تھکن ہو جاتی ہے پھر گھر کا کام بس تا تم ہی نہیں ملتا۔“ اس کی وضاحت پر احد نے اس کو کھور کر دیکھا۔

”کوئی اتنا مشکل کام نہیں جو تم کرتی ہو پہلے بھی تو تمہاری سہیلی روین تھی اب ایسا کیا ہو گیا ہے تم جانتی ہو ہم تمہارے کتنے عادی ہو گئے ہیں۔ ماما تمہیں کتنا یاد کرتی ہیں اور ڈیڈی وہ بے چارے خود تم سے ملنے آ جاتے ہیں اور میں دیکھو پاگلوں کی طرح سیدھا ادھر آ گیا جب کے تمہارے پاس ہمارے لیے تا تم ہی نہیں۔ ہم ہی پاگل ہو گئے ہیں۔“ اس نے نہ آنے کے بھانے نے احد کو اچھا خاصا غصہ چڑھا دیا تھا تو کرن ایک دم ڈر سی گئی۔ وہ احد سے اس قسم کے رد عمل کی امید نہیں کر رہی تھی

”آئی ایم سوری بھائی آئندہ ایسا نہیں ہوگا ویسے ایک بات ہے آپ سب غصہ کرنے میں ماہر ہیں۔“

”یہ اور کس نے غصہ کیا ہے اور یہ غصہ نہیں ہماری محبت ہے جاؤ میرے لیے چائے لے کر آؤ۔“ احد نے صوفے پر پھیلتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر پچن میں آ گئی۔ اپنے پیچھے اس نے تھینہ کی آواز سنی۔

”ختم ہو گئی لڑائی تم لوگوں کی۔ میں خود حیران ہوں یہ جاکیوں نہیں رہی پوچھا تو کہنے لگی میرے ٹیسٹ ہیں۔“ احد کے پوچھنے پر تھینہ نے اس سے کہا۔ اس نے اپنا دھیان وہاں سے ہٹا لیا۔

”بھائی اب آپ کو کیا بتاؤں آپ کے بھائی کو میرا آنا بلکہ میں ہی پسند نہیں ہوں۔ ورنہ عادی تو میں بھی آپ لوگوں کی ہو گئی ہوں لیکن

کیا کرو تاؤ گیٹ لاسٹ۔“ اس نے انگلی سے گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

کرن نے بیٹ و ہیں پھینکا اور گیٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔ پانچ منٹ بعد وہ گھر پر تھی۔ تھینہ شاید نیچے والوں کی طرف تھیں جو اسے نظر نہیں آتی تھیں۔ ورنہ اس کی حالت دیکھ کر ضرور چوٹ جاتیں۔ وہ جلدی سے ہاتھ روم میں گھس گئی اور دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

اس کے کب کے رکے ہوئے آنسو نکل آئے۔ وہ چیخ کر رونا چاہتی تھی لیکن اس نے اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر اپنی چیخوں کا گلہ گھونٹ دیا۔ وہ جانتی تھی وہ ان جاہلی ہے۔ اسے زبردستی مرضی سے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ لیکن اب میں اس کا تو کوئی قصور نہ تھا۔ آج اس نے مرضی کی آنکھوں میں اپنے لیے شدید نفرت محسوس کی تھی۔ اتنی بے عزتی، وہ منظر یاد آنے پر اس کے آنسوؤں میں مزید روانی آ گئی تھی۔ اس کے نکاح کو تقریباً دو ماہ ہو گئے تھے۔ اس دوران اس کی بھی مرضی سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ وہ تقریباً روز وہاں جاتی تھی۔ جس دن نہیں جاتی تھی علی یا احد بھائی اسے آ کر خود لے جاتے تھے۔ وہ لوگ اسے بے انتہا پیار کرتے تھے کہ وہ غلط فہمی کا شکار رہنے لگی تھی۔ شاید کہ مرضی بھی اس کے ساتھ ٹھیک ہو جائے لیکن آج مرضی نے اس بھرم کو توڑ دیا تھا۔

”اے لڑکی کہاں ہو تم ایک ہفتہ ہو گیا ہے تم گھر کیوں نہیں آ رہی۔“ اسے دیکھتے ہی احد نے اس سے پوچھا وہ ابھی سوئی ہوئی اٹھ کر آئی تھی۔

”میں تو یہیں ہوں آپ پچھلے ہفتے سے کہاں غائب ہیں۔“ کرن نے الٹا اس سے سوال کر دیا۔ کیونکہ روزانہ کالج اسے احد لے کر جاتا تھا لیکن پچھلے ہفتے سے علی یہ ڈیوٹی دے رہا تھا۔

”میں آفس کے کام سے اسلام آباد گیا تھا

ایسی عادت جو بعد میں تکلیف دے اس کو شرم کر دینا ہی ٹھیک ہے۔

”بائے گل گئے ہوں تو 2 آئیں جناب؟“ احد نے اچانک اس کے پیچھے آ کر کہا تو وہ ڈر گئی۔ اس کے ڈرنے پر احد ہنس پڑا تو کرن نے پاس بڑی ہوئی ماچس اسے دے ماری جو اس نے آسانی سے بیچ کر لی۔

”اتنی دیر کرو گی تو ایسا ہی ہو گا۔“ احد اندر آ کر شلف پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

”یہ نہیں چائے۔“ کرن نے کپ احد کو پکڑ لیا۔

”مہربانی جناب۔“ وہ مسکرا کر اپنے لیے چائے ڈالنے لگی۔ سبھی اس نے علی کی آواز سنی۔

”آپ یہاں تو چائے کی دعوت ہو رہی ہے۔ میں بھی آ گیا ہوں ہمیں بھی چائے پیش کی جائے۔“ اس نے شاہانہ انداز میں کہا تو کرن نے اپنا کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔

”ویسے بھائی آپ کو گھر چائے نہیں ملتی؟“

کرن کے پوچھنے پر علی نے غصے سے اسے گھورا۔

”لو کی گئی بدتمیز ہو ایک کپ پر اتنی باتیں سننا رہی ہو لیکن اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ تمہاری باتیں سن کر میں یہ چائے چھوڑ دوں گا“ تو

خبر۔“ علی نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا تو کرن کھلکھلا کر ہنس دی اور اپنے لیے چائے بنانے لگی۔

وہ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ جب وہ چلے گئے تو وہ کافی دیر تک ان کے بارے میں سوچتی رہی۔ وہ لوگ واقعی بھائیوں کی طرح اس سے پیار کرتے تھے۔ اور وہ بھی انہیں اسی طرح چاہتی تھی۔ وہ سب اکٹھے ہوتے تو گھر میں رونق پڑ جاتی تھی اور وقتی طور پر وہ بھی سب بھول جاتی تھی۔ احد اور علی کی باتیں یاد کر کے وہ مسکرا دی۔

اگلے دن کالج سے آنے کے بعد علی نے اسے گھر پڑتا ہے۔ اس وقت اپنے گھر آنے کی

تاکید کی تھی تو شام کو وہ گھر چلی آئی۔ اگلے آئی باہر لان میں ہی بیٹھے تھے۔ اس کو دیکھ کر دونوں

ای بے اختیار اٹھ گئے اور اس کو پیار کرنے لگے۔ اتنے دنوں سے آ کیوں نہیں رہی تھیں تھیں پتہ بھی ہے میں تمہیں اتنا یاد کرتی ہوں۔“

شاہدہ بیگم نے اسے کو خود سے لپٹا کر کہا تو علی فوراً بول پڑا۔

”ڈنڈی مہا آپ لوگ اسے اتنا پیار کرتے ہیں اس لیے یہ خیرے کرتی ہے۔“

”جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“ علی کے کہنے پر کرن فوراً بول پڑی تو علی کے ساتھ جمال احمد اور شاہدہ بیگم دونوں مسکرا دیئے۔

”کیا تمہیں ہماری کوئی بات پری لگی ہے۔“ آئی کی بات سن کر کرن پریشان ہو گئی۔

”نہیں آئی ایسی کوئی بات نہیں آج کل میرے ٹیسٹ ہو رہے تھے بس اس وجہ سے نہیں آ رہی تھی۔“ اسے فوراً ایسی بہانہ سوچھا۔

”اپنے لیے ان کا اتنا پیار اسے شرمندہ کر رہا تھا۔ پھر وہ انکل اور آئی کو کالج اور فرینڈز کے بارے میں بتانے لگی۔

یہ احد اور مرتضیٰ ابھی تک نہیں آئے۔“ انکل نے گھڑی دیکھتے ہوئے علی سے پوچھا بھی احد کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو سب گیٹ کی طرف دیکھنے لگے اور ان سب کو دیکھ کر سیدھا وہیں آ گیا۔

”واہ بھئی آج تو بڑے لوگ ہمارے گھر آئے ہیں۔“ احد نے بڑے کالفظ بول کر کرن کو دیکھا تو اس کے منہ کا زاویہ بگڑ گیا۔

”آپ ایسے کس گے تو میں آئندہ بالکل نہیں آؤں گا۔“ اس کی شکل دیکھ کر سب ہنس پڑے۔

”اب اگر تم ایک دن کا بھی ناغہ کرو گی تو ہم تمہیں اس سے زیادہ تنگ کریں گے۔“ احد نے اس کی چوٹی کیچ کر کہا پھر احد کی چائے کی فرمائش

76

یاد رکھنا احمد اور علی تمہیں بہت پیار کرتے ہیں۔ ان کی بہن کی کمی پوری کی ہے شاید اور میری جان تم میں ہے۔ تم ہمارے گھر کی رونق ہو تو کیا مرضی کے رویے کی وجہ سے تم ہمیں چھوڑ دو گی۔ ان کی بات پر کرن نے نفی میں سر ہلایا تو وہ مسکرا دیئے۔

”اسی لیے کہہ رہا ہوں اسے تھوڑا نام دو۔ اس کے ساتھ بیٹھو اس سے باتیں کرہ جیسے علی اور احمد سے کرتی ہو۔“ ان کی بات پر کرن نے ان کو دیکھا تو وہ بولے۔

”میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔ انکل مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔“ کرن کی بات پر وہ ہلکھلا کر ہنس دیئے۔

”ویسے ایک راز کی بات بتاؤں وہ ڈرانے والی شے ہے نہیں۔“ ان کے انداز پر کرن کی بھی ہنسی نکل گئی۔

”جو میں نے کہا ہے اس پر غور کرنا اور علی بھی اور اب شاہاش چائے لے آؤ۔“ وہ اس کا سر تھپک کر باہر چلے گئے۔ چائے لے کر جب وہ لاؤنج میں آئی تو مرضی بھی وہاں آچکا تھا۔ اس نے چائے سامنے ٹیبل پر رکھ دی۔ مرضی نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر جمال صاحب سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ گویا اس کا ہونا یا نہ ہونا اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ علی کے پاس آگئی جو بی وی پر کوئی سچ شوق دیکھ رہا تھا اور اس کے ساتھ بی وی دیکھنے لگی۔ جب اس کی نظر اچانک مرضی پر پڑی وہ انکل کی کسی بات پر مسکرا رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ بہت ہنسند تھا لیکن اس چہرے پر سال اس کو مزید ہنسنا بنا دیتی تھی۔ کرن نے جلدی سے اپنی نظریں وہاں سے ہٹالیں جبکہ احمد شرارت سے کھانسنے لگا۔ پھر اس کی طرف جھک کر بولا۔

”اپنی ہی چیز ہے پھر دیکھنے میں ڈر کیسا؟“ وہ ابھی اسے کوئی جواب دینے ہی لگی تھی کہ

پرانکل اور علی بھی شروع ہو گئے۔ ”چلو کرن چن میں چلتے ہیں۔“ شاید نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ بھی اٹھ گئی۔ ”سبھی مرضی کی چوڑی گیٹ سے داخل ہوئی۔ گاڑی سے اترتے ہی اس نے زور سے دروازہ بند کیا اور سیدھا اندر چلا گیا۔

”اس کا موڈ آج بھی خراب لگتا ہے۔“ کرن نے آنٹی کی بڑبڑاہٹ سنی تو مرضی کی طرف دیکھا جس کے چہرے کے زاویے واقعی بگڑے ہوئے تھے۔ وہ آنٹی کے ساتھ چن میں آگئی۔ وہ چائے کا پانی رکھ کر پتی ڈھونڈنے لگی بھی جمال احمد اندر آ گئے۔ شایدہ کسی کام سے باہر نہیں تھیں۔

”ارے انکل میں بس چائے لا ہی رہی تھی۔“ کرن نے سمجھا وہ چائے کے لیے آئے ہیں۔

”کرن میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔“ ان کو سنجیدہ دیکھ کر کرن ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”میں جانتا ہوں تم اتنے دن سے کیوں نہیں آ رہی۔ علی نے مجھ بتایا تھا۔“ ان کی بات پر کرن نے سر نیچے جھکا لیا۔

”لیکن بیٹا تم مرضی کی باتوں کا برا مت ماننا وہ بہت اچھا ہے لیکن یہ مجھے کچھ ہوا اتنی جلدی ہوا ہے کہ وہ ابھی اس حقیقت کو سچ طرح سے تسلیم نہیں کر پایا۔ اسے کچھ وقت دو مجھے یقین ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ میرا بیٹا ہے میں اسے جانتا ہوں اور مجھے یہ بھی یقین ہے وہ زیادہ دیر نہیں نظر انداز نہیں کر سکتا کیونکہ میری بیٹی ہے بی اتنی پیاری۔“ جمال احمد نے اس کی پیشانی چوم کر کہا تو ان کی بات پر وہ ہلش ہو گئی۔ اس کا سر اچھڑا دیکھ کر وہ مسکرا دیئے پھر بولے۔

”بیٹا یہ گھر تمہارا ہے یہاں تم جب مرضی آؤ گی کی ہمت نہیں تمہیں کوئی کچھ کہے اور یہ بات

ملازمہ چلتی آئی۔
 ”مرقظی بھائی آپ سے ملنے کوئی باجی آئی ہے۔“
 ”یہ۔“ پروین کے بتاتے پر سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ آنے والی ہستی کو دیکھ کر مرقظی اس کی طرف بڑھ گیا اور پھر اس کو ساتھ لیے باپ کی طرف بڑھا۔
 ”بابا یہ رمشا ہے۔“ مرقظی نے ساتھ کھڑی لڑکی کا تعارف کروایا تو انھوں نے غور سے اس لڑکی کو دیکھا جو فیشن کا چلتا پھرتا نمونہ تھی۔ جینز کے اوپر ٹائٹ شرٹ، فل میک اپ سب بڑے غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ انھوں نے ایسی لڑکیاں نہیں دیکھی تھیں۔ ان کا تعلق جس کلاس سے تھا وہ ایسی ڈرینگ عام تھی۔ اس وقت خاص بات اس لڑکی کا مرقظی کے ساتھ ہونا تھا۔ علی نے احد کی طرف اور اس نے علی کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ اس دوران کران چپکے سے اٹھ کر لاؤنج کے دروازے سے باہر نکل گئی۔
 ”ہیلو انکل۔“ اپنی طرف متوجہ پا کر رمشا نے کہا تو جواب میں انھوں نے ولیم السلام کہا تو وہ کچھ شرمندہ ہوئی۔
 ”آؤ بیٹا بیٹھو۔“ پھر جمال صاحب نے اسے بیٹھنے کو کہا۔ مرقظی نے سب کا تعارف کروایا۔
 ”مما جب میں امریکہ میں تھا رمشا میرے ساتھ وہاں پڑتی تھی اب ہم جاب بھی ایک ہی جگہ پر کر رہے ہیں۔“ وہ کافی دیران کے درمیان بیٹھی رہی۔ مرقظی اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور کچھ دیر بعد تیار ہو کر آیا تو وہ کھڑی ہوئی۔
 ”اچھا آئی انکل چلتی ہوں۔“ پھر اس نے احد اور علی سے ہاتھ ملایا۔
 ”چلیں مرقظی۔“
 ”ہاں چلو ماما میں رات کو کچھ لیٹ ہو جاؤں گا۔ آفس کی طرف سے ڈنر ہے۔“ مرقظی نے

جایاں اٹھاتے ہوئے کہا اور باپ پر نکل گیا۔ ان کے جانے کے بعد جمال احمد کافی دیر تک سوچتی نظروں سے دروازے کو دیکھتے رہے۔
 ”یار کتنی دیر کر دی ہے میں لیٹ ہو رہا ہوں۔“ احد نے کران کو دیکھ کر کہا جو پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تھی۔
 ”وہ بھائی یہ فائل نہیں مل رہی تھی اس لیے۔“ اس نے اپنی فائل لہرا کر کہا۔
 ”کب ہو رہے ہیں تمہارے پیپرز۔“ احد نے گاڑی اشارت کرتے ہوئے کہا۔
 ”یہی کوئی ایک ڈیڑھ ماہ تک۔“ کران نے بیگ میں بک رکھتے ہوئے کہا۔
 ”پھر کیا ارادہ ہے؟“ احد نے شرارت سے مسکرا کر کہا۔
 ”ارادہ کیا بھائی پہلے بی۔سی۔ ایس ہو جائے۔“ اس نے مصروف انداز میں کہا تو احد نے ایک نظر اس کو دیکھا پھر مسکرا کر بولا۔
 ”میرا مطلب تمہاری رخصتی سے ہے اب تمہیں ہمارے گھر آ جانا چاہیے ہماری بھائی بن کر۔“ احد کی بات پر مسلسل جھگڑتے اس کے ہاتھ رک گئے اور چہرے پر کئی رنگ بھر گئے۔
 ”بھائی آپ بھی بس۔“ اتنا کہہ کر وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تو احد بھی مسکرا کر ڈرائیونگ کرنے لگا۔
 کالج آنے پر وہ اتری تو احد نے اسے آواز دی۔
 ”میں آج نہیں آؤں گا۔ علی لینے آئے گا۔“ تو کران نے گردن ہلا دی۔ کلاسز کے دوران بھی اس کا دھیان احد کی باتوں کی طرف جایا تو ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کو چھو جاتی۔
 اس کے اور مرقظی کے نکاح کو سات ماہ ہو گئے تھے۔ اس دوران مرقظی سے اس کی

صوفے پر بیٹھ گیا۔
 ”پہن پانی تو بلاؤ آج تو میں بہت تھک گیا ہوں۔“ مرتضیٰ نے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ کر صوفے سے ٹیک لگائی۔
 ”چلو بھائی سے مدد لیتے ہیں۔“ علی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ وہ انکار کرتی علی مرتضیٰ تک پہنچ گیا تھا۔
 ”بھائی اس ٹاپک کو ذرا ایکسپلین کر دیں۔“ تو مرتضیٰ نے سب علی کے ہاتھ سے لے لی اور ٹاپک پڑھ کر بولا۔
 ”تمہارا ہے۔“

”لیس میں کوئی نا الاق بچے ہوں جو اپنا کام آپ سے کرواؤں گا۔“ علی نے براہمانتے ہوئے کاٹو مرتضیٰ مسکرا دیا۔

”کرن پین دو۔“ علی کے کہنے پر مرتضیٰ کو اس کی موجودگی کا علم ہوا تو کئی بل مرتضیٰ کی پیشانی پر نمودار ہوئے۔ ابھی مرتضیٰ نے لکھنا شروع کیا تھا کہ رمشا آ گئی۔
 ”کیسے ہو علی۔“ علی نے مسکرا کر اسے ہیلو کیا پھر کرن کی طرف منہ کر کے بڑبڑانے لگا۔
 ”اس مصیبت کو بھی ابھی نازل ہونا تھا۔“

تو کرن نے حیرت سے علی کو دیکھا۔
 ”ارے مرتضیٰ تم ابھی تیار نہیں ہوئے ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔“ رمشا نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا تو مرتضیٰ نے پن اور رجسٹری رکھ دیا۔
 ”تم بیٹھو میں ابھی دس منٹ میں تیار ہو کر آتا ہوں۔“ مرتضیٰ نے اپنا کوٹ اٹھا کر کہا اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔

”اور علی کیا ہو رہا ہے؟“ مرتضیٰ کے جانے کے بعد رمشا نے علی سے پوچھا جو اتنی دیر سے عجیب سی شکلیں بنا رہا تھا۔ ایک دم سیدھا ہو گیا۔
 ”بس یونیورسٹی سے گھریا دوستوں کی طرف کبھی کبھی چلا جاتا ہوں۔“
 ”اچھا.....“ اس نے مسکرا کر کہا تو اس کی نظر

ملاقات بہت کم ہوتی تھی۔ اس دن والے واقعہ کے بعد مرتضیٰ نے بھی اس سے دوبارہ بات نہیں کی تھی۔ اگر وہ اس کو دیکھ کر خوش نہیں ہوتا تھا تو ناراض بھی نہیں ہوتا تھا۔ اور اس کے لیے یہی بہت تھا۔ لڑکیاں بہت تازک ہوتی ہیں اور اگر کسی رشتے سے جڑ جائیں تو امیدیں بھی وابستہ ہو جاتی ہیں۔ اس کو پتہ تھا کہ مرتضیٰ اسے پسند نہیں کرتا لیکن وہ پھر بھی اسے پسند کرنے کی تھی۔ شاید ان کا رشتہ ہی ایسا تھا۔ وہ کسی معجزے کی امید کر رہی تھی۔ جب سے انکل نے اس کا حوصلہ بڑھایا تھا۔ وہ اب ان کے نظریے کے مطابق ہی دیکھ رہی تھی کہ واقعی مرتضیٰ کو کچھ وقت چاہیے اور مرتضیٰ ٹھیک ہو جائے گا اور وہ بھی یہی دعا کرتی تھی۔ سب ٹھیک ہو جائے۔ سب کچھ مرتضیٰ کو چھوڑنے کا تو وہ اب تصور بھی نہیں کر سکتی۔

”بھائی آپ بہت شکمے ہیں۔“ کرن نے جھنجھلا کر اپنی کتاب علی کے ہاتھ سے سنبھالی۔ وہ مسئلہ ایک گھنٹے سے اس کو ایک ٹاپک سمجھانے کو کہہ رہی تھی لیکن وہ اس کو جان بوجھ کر تنگ کر رہا تھا۔

”بھئی سمجھا تو رہا ہوں دیکھو اس کی وضاحت یہاں میں نے لکھ دی ہے۔“ علی نے رجسٹر اس کے آگے کیا تو صفحے پر نظر پڑتے ہی کرن کا دل کیا علی کا گلہ دبا دے صفحے پر کارٹون بنا تھا اس نے علی کے ہاتھ سے رجسٹر لے کر وہ کاغذ پھاڑ دیا۔

”میں نے اس کی تفصیل مانگی تھی اپنی تصویر بنانے کو نہیں کہا تھا۔“ پھر ایک دم لہجہ بدل کر بولی۔

”بھائی پلیز لکھ دیں تا کل میرا ٹیسٹ ہے۔“ اس کے منت بھرے انداز پر علی مسکرا دیا۔
 ”میں نے اس کے ہاتھ سے کتاب لے لی۔“ ابھی مرتضیٰ اندر آ گیا اور گرنے والے انداز سے

رن پر پڑی۔ "رمشا کے پوچھنے پر علی نے
کرن کا ہاتھ پکڑ کر اسے خود سے قریب کیا یہ
ہماری بہت پیاری سی بہن ہے۔" علی کے تعارف
کروانے ہر کرن نے سکھ کا سانس اور رمشا کو
سلام کیا تو وہ اس کے قریب آ گئی۔
"شی از ریلی سو سویت۔" رمشا نے اس
کے گل کو جو متے ہوئے کہا۔

"کوئی کلاس میں پڑھتی ہو؟"
فوجہ ایڑ میں۔ "کرن نے کہا تو وہ گھڑی

دیکھ کر بولی۔
"مر تفضی نے بہت دیر کر دی ہے۔ انکل
آئی گھر رہیں؟" رمشا نے علی سے پوچھا۔
"نہیں وہ ایک شادی پر گئے ہیں۔"
"اچھا میں ذرا مر تفضی کو دیکھوں اس کا روم اوپر
رائٹ سائیڈ پر ہے نا۔" رمشا نے علی سے پوچھا تو
اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

رمشا کے جانے کے بعد علی نے کشن اٹھا کر
دوسرے صوفے پر بیٹھ دیا۔ اسے رمشا ایک آنکھ
نہیں بھاتی تھی خاص طور پر مر تفضی بھائی کے
ساتھ اس کی دوستی ماڈرن ہونے اور بات ہے لیکن
اس کے ہر انداز سے بے باکی بھٹکتی تھی۔

"پتہ نہیں بھائی کو اس میں کیا نظر آتا
ہے؟" علی نے غصے اور افسوس سے سوچا۔
"جی ہاں پیاری ہے نا۔" کرن کے تبصرے
نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ علی نے کھا جانے
والی نظریوں سے کرن کو دیکھا۔

"بھیس کب نقل آئے گی؟" علی کی بات
پر کرن نے حیرت سے اس کے غصے کو دیکھا۔

"بھائی میں نے تو صرف ان کی تعریف کی
ہے آپ کو غصہ کیوں آ رہا ہے؟" کرن نے
روبا کی ہو کر کہا تو علی کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔
"یا اللہ اس لڑکی کو تھوڑی سی عقل اور چالاکی
دے دے۔" علی نے سر اٹھ کر دعا کی پھر اس کی

طرف دیکھ کر بولا۔
"تمہارا کچھ نہیں بن سکتا۔" علی کے کہنے پر
وہ غصے سے اپنی کتابیں سینے لگی۔ اس کو غصے میں
دیکھ کر علی مسکرا دیا۔

"بے وقوف جس کی تم تعریف کر رہی ہو
خیر سے یہ تمہارے شوہر نامہ دار کی دوست ہیں اور
ان پر ضرورت سے کچھ زیادہ حق جھاتی ہیں اور یہ
تمہارے حق میں اچھا نہیں۔" علی کی بات پر ایک
منٹ کے لیے اس کا دل دھڑکا۔ لیکن پھر سر
جھٹک دیا۔

شاہور لینے کے بعد مر تفضی نے ڈریس
سلیکٹ کیا ابھی وہ شرٹ پہننے والا تھا جب کوئی
کمرے میں داخل ہوا۔ اندر آنے والی رمشا
تھی۔ مر تفضی نے جلدی سے اپنا رخ موڑ لیا اور
شرٹ کے بن بند کر کے رمشا کی طرف مڑا۔

"رمشا سمجھیں ناک کر کے آنا چاہیے تھا۔"
اس نے ناگواری سے کہا۔ اس کے کہنے پر رمشا
قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"کم ان مر تفضی تم ایسے بی ہو کر رہے جیسے تم
کوئی لڑکی ہو۔"

"مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا کہ کوئی اس
طرح کمرے میں آئے۔ ٹیکسٹ ٹائم ناک کر
کے آنا۔" مر تفضی کے دو ٹوک انداز پر رمشا چپ
کی چپ رہ گئی۔ مر تفضی نے بیڈ سے ٹائی اٹھائی
اور شپٹے کے آگے کھڑا ہو کر باندھنے لگا۔ رمشا
مسکمل اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

وہ واقعی بہت شاندار تھا چھ فٹ سے نکلتا ہوا
قد۔ شاندار جسامت، کالی بڑی بڑی آنکھیں جو
ان میں دیکھتا تھا انھیں میں ڈوب جاتا تھا۔
ستواں ناک خوبصورت سائل صاف رنگ بلاشبہ
وہ بہت خوبصورت تھا۔ رمشا نے رشک سے اس
کے شاندار سراپے کو دیکھا۔ وہ اپنے بارے میں
میشہ سے یہی سنتی آرہی تھی وہ بہت خوبصورت

پہنچتے ہوئے رمشا نے کہا۔
رمشا کی بات پر مرتضیٰ کا گاڑی اشارت کرتا ہوا ہاتھ ایک پل کے لیے رکھا پھر اس نے گاڑی اشارت کر دی۔

”مرتضیٰ اب تمہیں سنجیدگی سے کچھ سوچنا ہوگا۔ پایا میری شادی پر زور دے رہے ہیں۔ میں کب تک انہیں ٹالوں۔ تمہارا بیویو ایسا ہے مجھے سمجھ نہیں آتی تم کیا چاہتے ہو؟ بھی لگتا ہے تم مجھے پسند کرتے ہو۔ بھی لگتا ہے یہ جھٹ فرینڈشپ ہے۔ اب تم اس تعلق کو کوئی نام دے ہی دو تو اچھا ہے۔“ رمشا نے مرتضیٰ کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموش رہا۔

جب گاڑی رمشا کے گھر کے آگے رکی تو رمشا اتر گئی۔ لیکن پھر پلٹ کر مرتضیٰ کی طرف آگئی۔

”مرتضیٰ میں تمہاری خاموشی کو کیا سمجھوں؟“ رمشا نے مرتضیٰ کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔

”مجھے تھوڑا ناظم دو میں ڈیڈی سے بات کرتا ہوں۔“ رمشا کچھ دیر مرتضیٰ کو دیکھتی رہی۔

”کہیں ایسا تو نہیں تم اپنی بیوی کو پسند کرنے لگے ہو؟“

”ایسی کوئی بات نہیں اگر ایسا ہوتا تو تم میرے ساتھ نہ ہوتیں تم جانتی ہو میں دھوکا نہ دیتا ہوں اور نہ پسند کرتا ہوں۔“ مرتضیٰ نے ناگواری سے کہا تو رمشا گاڑی سے پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ مرتضیٰ نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

جب وہ گھر پہنچا سب سوچکے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں آ گیا اور کافی دیر تک بے مقصد پر بیٹھا رہا۔ رمشا کی باتوں نے اسے ڈسٹرب کر دیا تھا۔ وہ رمشا کو پسند کرتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان انڈر سٹینڈنگ تھی۔ لیکن پتہ نہیں کیا بات تھی جواب تک وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ وہ اس پسندیدگی کو محبت کا نام نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن

اس چیز نے اسے خود پسند بنا دیا تھا۔ کسی لوگ اس کے دیوانے تھے۔ لیکن اسے صرف مرتضیٰ پسند تھا وہ ہر لحاظ سے اس کا آئیڈیل تھا خوبصورت بھی امیر بھی۔ وہ اور مرتضیٰ کافی سالوں سے ایک دوسرے کو جانتے تھے اور مستقبل میں بھی اسے امید تھی کہ مرتضیٰ اسے ہی اپنائے گا لیکن مرتضیٰ نے بھی اس کی خوبصورتی کی تعریف نہ کی تھی۔

مرتضیٰ اب اس کی ضد بند کیا تھا۔ وہ کسی قیمت پر اسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اپنی طرف سے غور سے دیکھنے پر مرتضیٰ مسکرا دیا۔

”یہ کیا دیکھ رہی ہو؟“
”دیکھ رہی ہوں تم نے باڈی بہت اچھی بنا رکھی ہے۔“ رمشا کی بات پر ایک ناگوار سا حساس مرتضیٰ کے چہرے پر آیا لیکن اس نے جلد ہی اس پر قابو پا لیا۔ اسے رمشا کا اس طرح کمرے میں آنا اور پھر اس کا اس طرح دیکھنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ آج پہلی بار اسے رمشا کی بے باکی پسند آئی تھی۔ ورنہ رمشا کی بولڈنٹس اسے پسند تھیں۔

”چلو دیر ہو رہی ہے۔“ مرتضیٰ نے کوٹ بگڑتے ہوئے کہا تو رمشا بھی اٹھ گئی۔

”ارے سب کہاں گئے؟“ لاؤنج کو خالی دیکھ کر مرتضیٰ نے کہا۔

”پر دین۔“ مرتضیٰ کے آواز دینے پر کزن پچن سے نکلی۔

”علی کہاں گیا ہے؟“

”جی وہ کزن جی کو چھوڑنے گئے ہیں۔“

”ٹھیک ہے ہم باہر جا رہے ہیں۔“ مرتضیٰ نے اپنے جانے کی اطلاع دی اور باہر قدم بڑھا دیے۔

”میں ملی ہوں تمہاری کزن سے بہت

خوبصورت ہے اور انویسٹ بھی۔ علی کے ساتھ

گاڑی میں

بہت اچھی لگ رہی تھی۔“ گاڑی میں

میں بیٹھنے لگی۔ اس کو

تس کی تم تعریف کر رہی

دہر تادار کی دوست

تھ زیادہ حق بھائی ہیں

نہیں۔“ علی کی بات پر

دل دھڑکا۔ لیکن پھر

بعد مرتضیٰ نے

ٹ پہننے والا تھا جب

اندر آنے والی

سے اپنا رخ موڑ لیا

رمشا کی طرف مڑا۔

کر کے آنا چاہیے تھا۔

اس کے کہنے پر

بے بی ہو کر رہے جیسے

نہیں لگتا کہ کوئی اس

نیکسٹ ناظم تاک کر

انداز پر رمشا

نے بیڈ سے ٹائی اٹھا

کر باندھنے لگا۔

فا چھ فٹ سے لگتا

بڑی بڑی آنکھیں

بیں ڈوب جاتا تھا۔

ل صاف رنگ بلاشبہ

انے رشک سے اس

وہ اپنے بارے میں

اوہ بہت خوبصورت

اسے شادی تو کرنی تھی۔ کرن۔۔۔۔۔ اس کا خیال آتے ہی اس کو غصہ آنا شروع ہو جاتا تھا۔ اس نے آج تک اسے غور سے دیکھا ہی نہ تھا۔

مرتنی نے کوٹ اتار کر غصے سے بیڈ پر دے مارا وہ ابھی ابھی آفس سے آیا تھا۔ وہ صبح سے رمشا سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ اس سے بات کرنے کو تیار نہ تھی۔ وہ کپڑے پیچ کے بغیر لیٹ گیا۔

کچھ دیر لیٹنے کے بعد اس نے شاور لیا اور کپڑے پیچ کر کے نیچے آ گیا۔ لی وی لاؤنج میں اس وقت کوئی نہ تھا۔

”پروین پانی کا گلاس دینا۔“ مرتنی کی آواز پر بچن میں کھڑی کرن نے باہر کی طرف دیکھا۔ پروین بچن میں نہیں تھی۔ اس نے گلاس میں پانی ڈالا اور باہر لے آئی۔ وہ لی وی دیکھ رہا تھا۔

”پانی۔۔۔۔۔“ اسکی آواز پر مرتنی نے اس کی دیکھا تو غصے کا ایک طوفان اس کے اندر مچنے لگا۔ اس نے گلاس اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ کرن ڈر کر دیوار کے ساتھ جا لگی۔

”تم۔۔۔۔۔ تمہیں کس نے کہا پانی لاؤ۔ تم میرے سامنے مت آیا کرو۔ ورنہ میں کسی دن کچھ کر ڈالوں گا۔“ مرتنی نے غصے سے دونوں ہاتھوں کو منہ کی صورت میں بچھین لیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ واقعی اس کا گلہ دبا دے۔ ”مرتنی کیا ہوا؟“ شاہدہ نے حیرانی سے مرتنی کو دیکھا وہ بھی آواز سن کر باہر آئیں تھیں۔ پھر ان کی نظر رونی ہوئی کرن پر پڑی۔

”ارے کرن کیا ہوا؟“ شاہدہ پریشانی سے اس کی طرف آئیں۔ مرتنی نے ایک نظر کرن پر ڈالی اور باہر نکلنے لگا کہ اس کی نظر دروازے میں کھڑے جمال احمد پر پڑی جو شاک کی کیفیت میں کھڑے تھے۔ ایک لمحے کے لیے مرتنی کے

چہرے کا رنگ بدلا اور دوسرے ہی پل وہ باہر نکل گیا۔

باہر کوئی مسلسل بیل کر رہا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ اور جلدی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔ لیکن اتنی دیر میں تہینہ دروازہ کھول چکی تھی۔ ”ارے احد پتا خیریت؟“ تہینہ نے رات کے دو بجے احد کو دیکھ کر پریشانی کا اظہار کیا۔

”آئی آپ میرے ساتھ چلیں ڈیڈی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔“ اس کی آنکھیں بالکل سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ کافی ضبط سے کام لے رہا تھا۔ احد کی بات سن کر کرن اور تہینہ دونوں پریشان ہو گئے اور اسی حالت میں اس کے ساتھ چل پڑے۔

وہ سیدھا جمال احمد کے کمرے میں آ گئے۔ جمال احمد کی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن ان کا رنگ کافی پیلا ہو چکا تھا۔ علی اور آنٹی ان کے قریب بیٹھے تھے۔ دونوں کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ شاید وہ لوگ روتے رہے تھے۔ تہینہ کو دیکھ کر شاہدہ اس کے گلے لگ گئی۔

”بھائی حوصلہ کریں بھائی صاحب کو کچھ نہیں ہوگا۔“ تہینہ نے شاہدہ کو تسلی دیتے ہوئے۔ ”پتہ نہیں کل تو ٹھیک تھے شام کو بیٹھے بیٹھے ہی بیہوش ہو گئے۔“ شاہدہ نے پھر رونا شروع کر دیا۔

”مما پلیز چپ کر جائیں ڈیڈی سو رہے ہیں۔“ احد نے ہلکی سی آواز میں ماں سے کہا۔ ”چلیں باہر چلتے ہیں۔“ وہ سب باہر نکلے گئے تو جمال احمد نے آنکھیں کھول دیں۔

”کرن تم میری بات سنو۔“ نقاہت ان کی آواز سے ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ سب بھی رک گئے لیکن جمال احمد نے ان سب کو باہر جانے کا اشارہ کیا تو وہ سب باہر نکل آئے۔

سے کوئی رشتہ ہے۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔ تمہاری زندگی میں ساری خوشیاں میں لے کر آؤں گا۔ جمال احمد نے کرن کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ وہ آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو پینے کی کوشش کرنے لگی۔

”میں سب بھول جاؤں گی انکل بس آپ ٹھیک ہو جائیں۔“ اس کی بات پر وہ مسکرا دیے۔

”چلو اب مجھے ہنس کر دکھاؤ۔“ ان کی بات پر وہ ہلکھلا کر ہنس پڑی۔

”آپ آرام کریں پھر ملاقات ہوگی۔“ وہ ان کو پیار کر کے نکل آئی۔

جب وہ لانچ میں آئی سب پریشان بیٹھے تھے۔ تو ان کو سلی کے لیے اس نے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائی۔

”آئی آپ ایسے ہی پریشان ہو رہی تھیں۔ انکل بالکل ٹھیک ہیں آپ کو تنگ کر رہے تھے۔“ شاہدہ نے گہری نظروں سے اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھا تو وہ نظریں چرائی۔

گھر آ کر وہ کتنی دیر تک بیٹی حجت کو گھورتی رہی۔ وہ کہنے کو تو انکل سے کہہ آئی تھی لیکن اس رشتے کو بھول جانا کتنا مشکل تھا وہ ہی جانتی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں پہنی اس انگلی کو دیکھا۔

”انکل میں آپ کو کیسے بتاؤں اس نام کو بھلانا کتنا مشکل ہے۔“

فجر کی اذان پر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ نماز پڑھنے کے بعد جب اس کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو کتنی دیر تک اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ کیا مانگے۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔

”کیوں اللہ میاں میرے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اگر مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہے تو مجھے معاف کر دیں۔ مرتضیٰ کو میری زندگی میں آپ نے شامل کیا تھا۔ اس رشتے کے ساتھ جس کا مجھے احساس بھی نہ تھا۔ میں زندگی میں داخل ہونے والا وہ پہلا شخص تھا۔ میرے دل پر پہلا نام اس کا لکھا گیا۔ پلیز اللہ میاں اس شخص کے دل میں

کرن ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر انھوں نے اپنے ہاتھ اس کے آگے جوڑ دیئے۔

”بیٹا مجھے معاف کر دو۔“ کرن نے مزید کرن ان کے ہاتھ پکڑ لیے۔

”میں تمہارا گنہگار ہوں۔ میں نے انجانے میں تمہارے ساتھ زیادتی کر دی۔ میں تو تمہیں خوشیاں دینا چاہتا تھا۔ مجھے مرتضیٰ پر بڑا مان تھا لیکن اس نے میرا مان توڑ دیا۔ مجھے شرمندہ کروا دیا۔ میں صغیر کو کیا منہ دکھاؤں گا کہ اس کی بیٹی کے ساتھ میں نے کیا کیا۔“ آنسو ان کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔ کرن نے اپنا سر ان کے سینے پر رکھ دیا۔ آنسو قطرہ قطرہ اس کی آنکھوں سے نکل کر ان کی قمیض میں جذب ہونے لگے۔

”انکل میں نے ایک بار اپنا باپ کھو دیا ہے لیکن دوسری بار میں کھونا نہیں چاہتی۔ آپ نے میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ یہ سب میری قسمت میں لکھا تھا۔ آپ خود کو قصور وار نہیں کہہ سکتے۔“ پھر وہ سر اٹھا کر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”انکل مرتضیٰ کے رویے سے مجھے اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنی آپ کو اس حالت میں دیکھ کر ہو رہی ہے۔ اگر مرتضیٰ کا حوالہ میرے ساتھ نہ رہے کیا میرا آپ کا رشتہ ختم ہو جائے گا؟“ کرن کے پوچھنے پر جمال احمد نے بے ساختہ اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

”کرن تم تو مجھے مرتضیٰ سے زیادہ پیاری ہو۔ بیٹیاں تو اپنے باپ کی جان ہوتی ہیں۔ اس لیے تو تمہاری تکلیف مجھے زیادہ تکلیف دیتی ہے۔ تمہارا میرا رشتہ کسی نام کا محتاج نہیں۔ تم میری بیٹی ہو اور ہمیشہ رہو گی۔“

”تو بس ٹھیک ہے آپ کو اگر مجھ سے پیار ہے تو جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔“

”کرن جو غلطی میں نے یہ رشتہ جوڑ کر کی ہے تم اسے بھول جاؤ۔ تم یہ بھول جاؤ تمہارا مرتضیٰ

میری محبت ڈال دیں یا مجھے اتنی ہمت دیں کہ میں اسے بھول سکوں۔ پلیز اللہ میاں میں اس شخص کی محبت مانگ رہی ہوں جو میرا محرم ہے۔ جس کی محبت میرے لیے جائز ہے۔ اس رشتے سے میرے کئی رشتے جڑے ہیں۔ جنہیں میں کھونا نہیں چاہتی۔ آپ میرے لیے وہ کریں جو میرے حق میں بہتر ہو۔“ اس نے اپنا سر جھکے میں گرایا۔

”کرن اٹھو بیٹا آٹھ بج گئے ہیں علی بھی کب سے بٹھا ہوا ہے۔“ تمینہ کے جگانے پر وہ بڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

”علی بھائی آئے ہیں سب ٹھیک تو ہے۔“ اس نے پریشانی سے پوچھا۔

”ہاں سب ٹھیک ہے تم نے کانچ نہیں جانا تمہیں لینے آیا ہے۔“ ان کی بات پر وہ ریلیکس ہو کر بیٹھ گئی۔

”آپ چلیں میں آتی ہوں۔“ وہ کاہلی سے اٹھی۔ فریش ہونے کے بعد جب وہ باہر آئی تو علی آرام سے بیٹھانی وی دیکھ رہا تھا۔ اس کو یوں گھبراہٹ حلیے میں دیکھ کر حیران ہو کر بولا۔

”تمہیں کانچ نہیں جانا؟“ اس نے سرفش میں ہلایا اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

”نیمجاری طبیعت ٹھیک ہے؟“ علی نے اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر پوچھا۔

”بالکل ٹھیک ہوں رات کو دیر سے سوئی تھی۔“ اس لیے وہ علی کا اشارہ سمجھ گئی تھی۔

”کانچ کیوں نہیں جانا؟“

”پچھڑا قریب آگئے ہیں اس لیے اب ہم فری ہیں۔“

”انکل کیسے ہیں؟“

”اب کافی بہتر ہیں چلتا ہوں۔“

”اوکے آنٹی میں جا رہا ہوں۔“ علی نے اونچی آواز میں تمینہ سے کہا۔

علی کے جانے کے بعد وہ کتابیں لے کر بیٹھ گئی۔ دو بجے کے قریب وہ جمال احمد کے گھر گئی۔ سب سے پہلے اس کی نظر احد بھائی اور علی بھائی پر پڑی۔ جو بڑے ریلیکس موڈ میں بیٹھے ریسٹلنگ دیکھ رہے تھے۔

”واہ بھئی یہاں تو مزے ہو رہے ہیں۔“ کرن کی آواز پر دونوں سے اس کی طرف دیکھا تو سب سے پہلے علی دوڑ کر اس کی طرف آیا۔ اس کے ہاتھ میں چٹری چاولوں کی ڈش لے لی۔

”آہا جیسی رہو سدا سہا کن رہو ہم کب سے بھوکے بیٹھے تھے۔“ علی نے کرن کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ احد نے پیچھے سے آکر ڈش علی کے ہاتھوں سے لے لی۔

”بھائی پہلے میں لوں گا۔“

”علی میں بڑا ہوں پہلے میں لوں گا۔“ احد نے چاولوں میں سے بوٹی نکالتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے وہ چاولوں پر ٹوٹ پڑتے۔ کرن نے ڈش احد کے ہاتھوں سے لے لی۔

”پروین صبح سے نہیں آئی اور ماما کی طبیعت خراب تھی ہم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔“ علی نے منہ بسور کر کہا تو اس کی ہنسی نکل گئی۔

میٹھیوں سے اترتے مرتضیٰ نے حیرت سے ہنسی کی آواز سنی تو اس نے آواز کی جانب دیکھا جہاں کرن احد اور علی سے الجھ رہی تھی۔

کرن نے ڈش ٹیبل پر رکھی اور پچن سے پلیٹیں اور پیچ لے آئی۔ احد اور علی چاولوں پر ٹوٹ پڑے۔

مرتضیٰ کب سے کھڑا نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ وہ کیوں انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ جب باہر جانے لگا تو پیچھے سے علی نے اسے آواز دی۔

”بھائی کھانا کھالیں۔“

”مجھے بھوک نہیں۔“ یہ کہہ کر وہ مار نکل گیا۔

”ابھی تھوڑی دیر پہلے تو بھوک کی وجہ سے پروین کو کوس رہے تھے۔“ علی نے سر جھک کر کہا۔

علی کی بات پر کرن نے دروازے کی طرف دیکھا۔
”بھوک تو ہوگی لیکن میری موجودگی ان کے لیے تکلیف دہ ہے۔“ کرن سوچ کر رو گئی۔

”قورمہ اپنے آخری مراحل پر تھا۔ اس نے آج دھیمی کردی اور باہر آگئی۔“

”نیند سے اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ کل رات بھی وہ تین گھنٹے سوئی تھی اور اب صبح سے مصروف تھی۔ ابھی اس نے انکل اور آنٹی کو سوپ بنا کر دیا تھا۔ احد اور علی اس کا آدھا دباغ چاٹ چکے تھے اس نے بڑی مشکلوں سے انھیں باہر بھیجا تھا۔“

اچانک لائٹ چلی گئی تو اس نے چونک کر دیکھا وہ صوفے کے قریب کھڑی تھی وہیں بیٹھ گئی۔ خاموشی اور اندھیرے کی وجہ سے نیند پوری طرح سے اس پر حاوی ہونے لگی تھی۔ اس نے سوچا پانچ منٹ آنکھیں بند کر لیتی ہوں پھر سالن دیکھی ہوں۔ اس نے آنکھیں بند کر کے صوفے سے ٹیک لگا لیا۔ کب اس کی آنکھ لگی۔ اسے پتہ ہی نہیں چلا۔

جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا ہر طرف اندھیرا تھا۔ شاید لائٹ چلی گئی تھی۔ وہ سیدھا اندر آ گیا۔ اندر ہر چیز اندھیرے میں ڈوبی تھی۔ اس نے اندازے سے کوٹ صوفے پر پھینکا اور گرنے والے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کہ کوئی نرم سی چیز اس کے ہاتھ سے ٹکرانی۔ پکڑنے پر پتہ چلا وہ ہاتھ تھا۔ وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر کینڈل لانا اک دم سے کمرہ روشنیوں میں نہا گیا۔ جونہی اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ وہ کرن تھی۔ وہ اس کے اتنے قریب تھی کہ وہ اس کو محسوس کر سکتا تھا۔ اس نے پہلی بار اسے اتنی قریب سے دیکھا۔ کمرے کی روشنی سے

زیادہ اسے اس کے چہرے کی روشنی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے حسن کی کرنیں آہستہ آہستہ اسے اپنی لپیٹ میں لے رہی تھیں۔

اس کی آنکھیں بند تھیں لیکن اپنی بند آنکھوں سے اس نے اسے سچ کر لیا تھا۔ اس نے کہیں پڑھا تھا سوئی عورت بہت پرکشش ہوتی ہے۔ ایک بند کتاب کی طرح۔ آج وہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے صرف کتاب کا سرورق ہی دیکھا تھا۔ کتاب کو تو ابھی اس نے پڑھا ہی نہیں تھا۔ وہ کوشش کے باوجود اپنی نظر اس پر سے نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ صرف ایک لمحے کا ٹھیک تھا اور اس ایک لمحے میں وہ سب ہار گیا تھا۔ اس کا ہاتھ اب تک مرتضیٰ کے ہاتھ میں تھا۔

”ارے بچو کہاں ہو تم لوگ؟“ شاید یہی آواز پر وہ حال میں لوٹ آیا۔ لیکن کوشش کے باوجود وہ اٹھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے کرن کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ قدموں کی آواز قریب آ رہی تھی۔ وہاں سے اٹھنے کے لیے اسے اپنی پوری توانائی صرف کرنی پڑی تھی۔ وہ جلدی سے چلتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ وہ جلد سے جلد اپنے کمرے میں جانا چاہتا تھا۔

”ارے مرتضیٰ۔“ شاید یہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھر ایک دم چونک گئیں۔

”بیٹا تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ انھوں نے مرتضیٰ کا ہاتھ چھوا۔

”جی ماما میں ٹھیک ہوں ابھی آتا ہوں۔“

وہ جلدی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

کمرے میں آ کر وہ بیل پر لیٹ گیا۔ اسے اپنی کیفیت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ آج سے پہلے اس کے ساتھ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ لڑکیاں اس کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھیں۔ وہ کو ابجو کزن میں ہمیشہ پڑھا تھا۔ کئی لڑکیوں سے اس کی دوستی رہی۔ رمشا اس کے اتنی قریب تھی وہ بہت خوبصورت تھی۔ لیکن اس نے بھی اس کے لیے یہ

مبذول کر دی۔ اس نے انکل علی سے کوئی بات طرف متوجہ تھی تو اب بھی اسے ہی دیکھ کر اس کی نظر اتر آئی تھی۔ نظر سے دھڑکنے لگا۔ گلاس لیوں سے اسے دیکھنا گوارا نہ تھا۔ اس سے وہ اس کی نظر سے کہہ کر وہ وہاں رہی جب سب کھا جانے کی جلدی کر رہی تھی۔ ”کرن“ مٹکواتا ہوں۔ اس آئیں کریم نہیں انداز دیکھ کر جہاں ”احد جا ادھر دیکھے باپرا گھر آ دروہ بے مقہ بیٹھ گئی۔ تہمینہ کے کتابوں کے گھس گھس۔ وہ کافی کوئی چیز اس جھنڈا کر کتابیں لٹ گئی۔ آٹھ محسوس کیا۔ وہ تھا۔ اس نے غصہ۔

کے بعد اس نے اپنا چہرہ شیشے میں دیکھا تو اپنا چہرہ خود اسے بہت اچھا لگا تو اس نے مسکرا کر خود اپنے سر پر چٹ لگائی۔

”آہا کھانا بن گیا۔“ علی نے انداز کر بچوں کے انداز میں کہا تو شاید مسکرا دی۔

”مما یہ پروین کی بچی کا کچھ کریں جب اس کی ضرورت ہے پھٹی کر جاتی ہے۔“ احمد نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”علی جاؤ مرغی کو بلا لاؤ۔“ شاید نے علی سے کہا۔

اس سے پہلے کہ علی اسے بلائے جاتا وہ خود ہی نیچے آ گیا اور کرن کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ کرن کا خیال تھا دو چہر کی طرح اب بھی وہ کھانے کو انکار کر دے گا۔ لیکن اسے بیٹھتا دیکھ کر اسے کافی حیرت ہوئی۔

جمال احمد نے ایک نظر سامنے دیکھا جہاں کرن اور مرغی آئے سامنے تھے اور علی شاید اور وہ خود ایک مکمل میبل تک رہی تھی یہی تو ان کا خواب تھا۔ لیکن اب انھیں پتہ چل گیا تھا۔ اس کی تعبیر شاید ممکن نہیں۔

”یا اللہ تو رحیم ہے جو تو چاہے تو میرا یہ خواب میری خواہش پوری کر سکتا ہے۔ ان دونوں کو ایک کر دے۔“

”جمال یہ لیں آج کھانا کرن نے بنایا ہے۔“ شاید کی آواز پر وہ حال میں لوٹ آئے اور نظریں ان دونوں پر سے ہٹا لیں۔

”بیٹا تم بھی لو.....“ شاید نے مرغی کی طرف دیکھ کر کہا تو اس نے اپنا ہاتھ سان کی طرف بڑھا دیا۔ کھانے کے دوران انکل آئی مسکسل کھانے کی تعریف کرتے رہے اور وہ مسکرا کر دیکھتی رہی۔

علی کی بات پر وہ مسکرائی تو بالکل اچانک اس کی نظر سامنے پڑی تو مرغی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے جلدی سے دوبارہ اپنی توجہ کھانے پر

سب محسوس نہیں کیا تھا جو وہ کرن کے لیے محسوس کر رہا تھا۔

”نہیں یہ صرف ایک کمزور لہجہ تھا بس۔ مجھے کیسے محبت ہو سکتی ہے۔ اور وہ بھی کرن سے۔ میں تو اسے ناپسند کرتا ہوں۔“ مرغی نے کمرے میں چکر لگاتے ہوئے خود کو باور کروایا۔

”ارے کرن کیا ہوا طبیعت ٹھیک ہے؟“

اسے یوں لینا دیکھ کر شاید نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو اس نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھولیں۔ نیند کا غلبہ اس قدر تھا کہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کوئی اسے نہ جگائے اور وہ سوئی رہے۔

لیکن اسے اٹھنا تو تھا۔ اس نے زبردستی اپنی آنکھیں کھولیں۔ بھی اسے یاد آیا کہ قومہ تو وہ چولہے پر رکھ آئی۔ ہے اس کی نیند ایک دم اڑ گئی۔

وہ بھاگ کر بچن میں آئی اور جلدی سے کڑاہی کا ڈھکن اٹھایا۔ لیکن وہ بالکل ٹھیک تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے شاید بھی بچن میں آ گئیں۔ وہ رائیہ بنانے کے لیے دی پھینٹنے لگی۔ شاید نے اسے روک دیا۔

”بیٹا ہماری وجہ سے تمہیں اتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ صبح سے تم کام میں لگی ہو۔“

”آئی آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں میں آپ کی بیٹی نہیں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تو میں آپ کے لیے اتنا جی نہیں کر سکتی۔“ کرن کی بات پر شاید نے بے اختیار اس کا منہ چوم لیا۔

”جاؤ منہ دھو آؤ آنکھیں دیکھو کیسے بند ہو رہی ہیں۔“

”بس آئی اب میں گھر جا رہی ہوں اور جا کر سوؤں گی۔“

”نہیں ایسے تھوڑا ہی تم چلی جاؤ گی۔ اب کھانا کھا کر جانا۔“ شاید نے زبردستی اسے واش روم کی طرف بھیجا۔

وہ کافی دیر تک منہ پہ پانی ڈالتی رہی تاکہ نیند بھاگ جائے۔ ٹاول سے منہ صاف کرنے

خود ہی سوال جواب کرنے لگی۔
”محبت..... نہیں۔“ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”میں سر ہلایا۔“
”میں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”لیکن ایسا ہو بھی تو سکتا ہے۔“ اس نے اندر سے آواز آئی تو وہ پھر لیٹ گئی۔

”پلیز اللہ میاں میں بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا ہے۔ کوئی ایسی چیز جو میری نہیں مجھے اس کے وہم میں مبتلا نہ کر۔“ وہ کافی دیر تک اللہ سے دعا کرتی رہی۔ پھر کب اسے غینہ آئی اسے پتہ ہی نہیں چلا۔

اسے سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے ایک گھنٹہ ہو گیا تھا لیکن بے چینی تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ جتنا اس چہرے کو جھٹکنا چاہ رہا تھا وہ بار بار اس کے سامنے آ رہا تھا۔ اس نے ٹک آ کر گاڑی ایک سائیڈ پر روک دی اور آنکھیں بند کر کے سر سیٹ کی بیک سے لگا لیا۔ آنکھیں بند کرتے ہی وہ بند آنکھیں وہ چہرہ پھر نظر آنے لگا۔ اس کی آنکھیں کھول کر باہر آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ تو دو آنکھیں پھر نظریں آنے لگیں جو حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ نیند کے احساس سے بوجھل آنکھیں جنہوں نے ان آنکھوں کو مزید خوبصورت بنا دیا تھا۔ اسے کھانے کی طلب نہیں تھی لیکن پتہ نہیں کیا چیز اسے وہاں کھینچ کر لے گئی تھی۔

کھانے کے دوران اس نے بہت کوشش کی وہ اسے نہ دیکھے لیکن اس کی نظریں بار بار بھٹک کر اسکے چہرے پر جا ٹھہرتی تھیں۔ اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ شاید اس کے دیکھنے کا اثر تھا کہ اس نے نظر اٹھا کر اسے حیرت سے دیکھا۔ وہ بند آنکھوں کو بھول نہیں پایا تھا کہ اس نے کھلی آنکھوں کا جادو کر دیا۔ اس نے تھک کر اپنا سر سٹیرنگ پر گرا

مبذول کر دی۔ اسے کچھ بھی سا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے انکل کی طرف دیکھا جو احد سے اور علی سے کوئی بات کر رہے تھے۔ آئی ان کی طرف متوجہ تھی تو اس نے سامنے دیکھا۔ مرضی اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اب اس کی آنکھوں میں واضح طور پر حیرت اتر آئی تھی۔ نظریں ملنے پر اس کا دل پوری رفتار سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس نے جلدی سے پانی کا گلاس لیوں سے لگا لیا۔ کہاں تو مرضی ایک نظر اسے دیکھنا گوارا نہیں کرتا اور کہاں مسلسل پندرہ منٹ سے وہ اس کی نظریں خود پر محسوس کر رہی تھی۔ اس سے کھانا کھانا مشکل ہو گیا تھا۔ پھر جتنی دیر وہ وہاں رہی اس نے سر دوبارہ نہیں اٹھایا۔ جب سب کھانے سے فارغ ہو گئے۔ اس نے جانے کی جلدی مجا دی۔

”کرن تھوڑی دیر تو بیٹھو ابھی آکس کریم منگواتا ہوں۔“ جمال احمد نے کہا وہ جانتے تھے اس آکس کریم بہت پسند ہے۔

”نہیں انکل اب مجھے گھر جانا ہے۔“ اس کا انداز دیکھ کر جمال احمد بھی جب کر گئے۔
”احد جاؤ کرن کو چھوڑ آؤ۔“ تو وہ بغیر ادھر ادھر دیکھے باہر نکل آئی۔

گھر آ کر وہ سیدھی کمرے میں آ گئی۔ کچھ دیر وہ بے مقصد کھڑی رہی۔ پھر کتابیں لے کر بیٹھ گئی۔ تہینہ نے اندر جھانک کر دیکھا لیکن اسے کتابوں کے ساتھ مصروف دیکھ کر واپس چلی گئیں۔

وہ کافی دیر تک کتابوں کو گھورتی رہی لیکن کوئی چیز اس کو سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اس نے جتنی کتابیں پند کر دیں اور لائٹ آف کر کے لیٹ گئی۔ آج مرضی کی آنکھوں میں اس نے کہا محسوس کیا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ لیکن کچھ تھا کیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔

غصہ..... نہیں..... نفرت..... نہیں..... وہ

دیا۔ ”یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟“ اس نے اپنا سر سترنگ پر زور سے مارا۔ ابھی اس کے سونائیل کی بے بسی۔ اسکرین پر گھر کا نمبر تھا۔ بن آن کرتے ہی شاہدہ کی آواز سنائی دی۔ ”مرٹھی بیٹا کہاں ہو تم ہم سب پریشان ہو رہے ہیں۔“

”بس ماماں گھر ہی آ رہا ہوں۔“ اس نے اگلی بات سے بغیر فون بند کر دیا اور گاڑی گھر کی طرف موڑ لی۔

آج تقریباً تین دن ہو گئے تھے اس کی وہی ہی کیفیت تھی۔ ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ آفس کے کام کے سلسلے میں اسے دو ہفتوں کے لیے امریکہ جانا تھا۔ پہلے اس نے انکار کر دیا تھا لیکن کل وہ فارم سائن کر آیا تھا۔ آج اس کی فلائٹ تھی۔ وہ یہاں سے جانا چاہتا تھا۔ وہ سمجھتا چاہتا تھا یہ کیفیت ہے یا واقعی وہ کرن کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔

شاہدہ نے اس کے کمرے میں جھانکا تو وہ پینگ کر رہا تھا۔

”بیٹا اتنی اچانک تمہارا پروگرام کیسے بن گیا؟“ شاہدہ اس کے اچانک جانے پر حیران تھیں۔

”مما آفس کا کام ہے دو ہفتوں تک آ جاؤں گا۔“ اس کی بات پر شاہدہ نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

”مرٹھی کہیں تم ڈیڈی سے ناراض ہو کر تو نہیں جا رہے۔“ شاہدہ نے پریشانی سے کہا کیونکہ وہ دیکھ رہی تھیں۔ جمال احمد مرٹھی سے بات نہیں کر رہے تھے۔

”میں ماما کی کوئی بات نہیں۔“ اس نے ایک نظر ماں کے پریشان چہرے کو دیکھا تو انھیں ساتھ لگا لیا۔

”مما پریشانی کی کوئی بات نہیں سب ٹھیک

ہے۔“ اس نے بیگ کی زپ بند کر کے اس کو اٹھا لیا۔

”اچھا چلتا ہوں۔“ شاہدہ نے گلے لگ کے اس نے کہا۔

”سدا سلامت رہو۔“ انھوں نے اس کی پریشانی چوم لی تو وہ باہر نکل آیا۔ احمد نے اس سے بیگ لے لیا وہ ہی اسے ایئر پورٹ چھوڑنے جا رہا تھا۔

”تم چلو میں ڈیڈی سے مل لوں۔“ مرٹھی کہہ کر جمال احمد کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس دن کے واقعہ کے بعد جمال احمد نے مرٹھی کی بہت کوشش کے باوجود اس سے بات نہیں کی تھی۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو جمال احمد لیٹے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔

”ڈیڈی میں جا رہا ہوں جلد ہی آ جاؤں گا۔“ وہ کچھ دیر کھڑا انھیں دیکھتا رہا لیکن جمال احمد نے آنکھیں نہیں کھولیں تو اس نے افسردگی سے سر جھکا لیا۔

”اچھا ڈیڈی چلتا ہوں اپنا خیال رکھیے گا۔“ یہ کہہ کر وہ مڑ گیا۔

اسے امریکہ آئے ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ لیکن وہ بے چینی مسلسل اپنی جگہ تھی۔ وہ جو سمجھتا تھا کہ دور جانے سے وہ بھول جائے گا تو یہ محض اس کی غلط فہمی تھی۔ یہاں وہ اور زیادہ یاد آنے لگی تھی۔ بھی وہ بند آنکھیں تو بھی کھلی آنکھیں پھر وہ ہنسی وہ ایک نظر سے نکلتا تو دوسرا سامنے آ جاتا۔ مسلسل سوچنے سے اس کی صحت خراب ہونے لگی تھی۔ جب وہ یہاں آیا تھا اس کا کھانا نا ہونے کے برابر ہو گیا تھا۔ آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے تھے۔

آج صبح سے موسم کافی سرد تھا۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑا ہو کر باہر دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ اس کے آفس کے دو کونیکز بھی آئے تھے۔ وہ اس وقت شاپنگ کے لیے باہر گئے تھے۔ لیکن ان

نے حیرت سے اسے کہا۔
 ”ہاں میں جانتا ہوں لیکن کام ختم ہو چکا
 اٹھ کر واش روم میں چلا گیا۔ سہیل نے اطمینان کو
 دیکھا تو اس نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کر
 دیا۔

لاہور ایئر پورٹ پر اتر کر اس نے جیسی بی۔
 وہ جانتا تھا گھر پر سب اسے دیکھ کر حیران ہو
 جائیں گے۔ گیٹ سے داخل ہوتے ہی اس کے
 دل نے بے اختیار یہ خواہش کی کہ وہ کرن کو
 دیکھے۔

جب وہ گھر میں داخل ہوا۔ سارا اڈونج خالی
 تھا۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ احمد اور علی کو
 اس وقت گھر ہونا چاہیے تھا۔ ابھی اس نے بیگ
 رکھا تھا۔ بھی علی آ گیا اور اسے دیکھ کر چیخ مڑا۔
 ”بھائی آپ کب آئے؟“ اور مٹھے لگ
 گیا۔ پھر علیچہرہ ہو کر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

”بھائی آپ کو کیا ہوا؟ آپ کی طبیعت
 ٹھیک ہے؟“ علی نے پریشانی سے مرتضیٰ کو دیکھا
 تو وہ مسکرا دیا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ مرتضیٰ نے اس
 کے چہرے پر چپٹ لگائی۔

”مما اور ڈیڈی کہاں ہیں؟“ تو علی نے
 ایک نظر بغور اسے دیکھا اور ماما کو آواز دیئے لگا۔
 وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

”ارے مرتضیٰ بیٹا ایسا کم۔۔۔ تم نے آنے
 کی اطلاع بھی نہیں اور نہ اتنی دیر فون کیا۔“ شاہدہ
 وہیں سے شروع ہو گئیں تو وہ مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔
 شاہدہ جو اسے مزید ڈانٹنے کا ارادہ رکھتی تھیں وہیں
 چپ کر گئیں۔

”کیا ہوا ہے تمہیں؟“ شاہدہ نے مرتضیٰ کا
 چہرہ چھو کر کہا۔ جمال احمد کو دھچکا لگا وہ تو مرتضیٰ لگ
 ہی نہیں رہا تھا۔ اتنا کمزور اور پریشان حال! انہیں
 اس کی حالت دیکھ کر بہت تکلیف ہوئی تھی۔ وہ

کے بہت اصرار کے باوجود وہ ان کے ساتھ نہیں
 گیا تھا۔ اس کا ذہن پھر بھٹک کر کرن کی طرف
 چلا گیا۔

اس نے سر جھٹک کر اس خیال سے بچھا
 چیز اٹا جایا تو کسی آسیب کی طرح اس سے چپٹ
 گیا تھا۔ لیکن میں اس میں ناکام رہا۔ اس نے
 دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور وہی گھٹنوں
 کے بل کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

”ڈیڈی میں نے آپ کو دکھ پہنچایا“ آپ کا
 ہاتھ توڑا مجھے اس کی سزا مل رہی ہے۔ دیکھیں
 ڈیڈی مجھے سزا مل رہی ہے۔“ اس نے سر اٹھا کر
 چپٹ کی طرف دیکھا۔ آسوا اس کی آنکھوں سے
 بہنے لگے تھے۔

”میں نے کرن کو دکھ دیا“ اذیت دی آج
 میں خود اس اذیت سے گزر رہا ہوں۔ مجھے آپ
 دونوں کا دل دکھانے کی سزا مل رہی ہے۔ جیسے
 میں نفرت کرتا تھا۔ اس سے میں محبت کرنے لگا
 ہوں۔ کیوں..... کیوں؟“ وہ چیخ اٹھا۔

”میں نفرت کرتا ہوں کرن..... نفرت سنا تم
 نے۔“ وہ چیخ چیخ کر بولنے لگا۔ تبھی اس کے
 کانوں میں وہی پہلی گونجی اسے لگا کرن اس پر
 ہنس رہی ہے۔ وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ لیکن
 اپنا ک اسے ہر چیز گھومشی محسوس ہونے لگی اور ہر
 طرف اندھیرا چھا گیا۔

جب اسے ہوش آیا تو اظہر اور سہیل اس
 کے قریب بیٹھے بڑی تشویش سے اسے دیکھ رہے
 تھے۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”مرتضیٰ کیا ہوا تھا تمہیں؟“ اظہر نے پوچھا
 تو خالی نظروں سے اسے دیکھتے لگا۔

”مرتضیٰ تم ٹھیک تو ہو؟“ سہیل نے اس کا
 کندھا ہلایا تو وہ چونک گیا۔

”ہاں میں ٹھیک ہوں۔ سہیل پلیز میری کل
 کی سیٹ کنفرم کروادو۔“

”لیکن یار ابھی دو دن اور ہیں۔“ ساجد

اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ کچھ دیر بعد اس نے رمشا کی حیرت میں ڈوبی آواز سنی۔

”آئی ایم سر پرانز مرتضیٰ۔ تم اور میرے گھر؟“ رمشا نے اندر آتے ہی حیرت کا اظہار کیا۔ پھر اسے دیکھ کر ایک دم حیران ہو گئی۔

”مرتضیٰ تمہیں کیا ہوا؟“ تو مرتضیٰ کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ اس سوال سے بچنے کے لیے وہ یہاں آیا تھا اور وہی سوال یہاں بھی تھا۔

”کچھ نہیں تم سناؤ کیسی گزری چھٹیاں اس کے ساتھ رمشانے بھی دو ہفتوں کی چھٹیاں لیں تھیں۔“

”بہت مزے میں دراصل میرا کزن آیا ہوا ہے کینیڈا سے اس کی کمپنی اتنے مزے کی ہے کہ میں بور ہی نہیں ہوئی۔“ رمشا کی بات پر وہ مسکرا دیا۔

”تمہارا نور لگتا ہے اچھا نہیں رہا۔“ رمشا نے بغور اس کا جائزہ لیا۔

”ہاں کہہ سکتی ہو۔“

”کوئی خاص بات؟“ رمشانے مرتضیٰ سے پوچھا۔

”نہیں کوئی خاص نہیں چلتا ہوں۔“ مرتضیٰ ایک دم کھڑا ہو گیا۔

”ارے بیٹھو تو میں نے کولڈ ڈرنک کے لیے کہا ہے۔“ رمشا اس کے ایک دم کھڑے ہونے پر حیران ہو گئی۔

”نہیں پھر کبھی سہی اللہ حافظ۔“ اس کے انداز پر رمشانے حیرت سے اسے جاتا دیکھا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے گاڑی گھر کی طرف موڑ لی۔ وہ سمجھ رہا تھا وہ شاید رمشا کو مس کر رہا ہے۔ لیکن رمشا کے پاس اسے زیادہ بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ نہ آفس نہ گھر اس کا کہیں بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ اپنی اس کیفیت کو جس میں وہ پچھلے تین ہفتوں میں مبتلا تھا۔ سمجھنے سے قاصر

بے اختیار اس کی طرف آ گئے۔

”مما میں بالکل ٹھیک ہوں صرف آپ دوا کی تبدیلی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے اور کوئی بات نہیں۔“ اس نے روتی ہوئی ماں کو ساتھ لگا کر سلی دی۔ لیکن وہ مسلسل پریشانی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ تو اچانک اس کی نظر سامنے کھڑے پریشان جمال احمد پر پڑی تو وہ آگے بڑھ کر ان کے گلے لگ گیا۔ ان کے گلے لگتے ہی اس کی آنکھوں میں پانی سا بھرنے لگا۔

”ڈیڈی مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ کو ہرٹ کیا ہے؟“ تو جمال صاحب نے اسے خود سے قریب کر لیا۔ پھر الگ کرتے ہوئے بولے۔

”تمہیں ہوا کیا ہے؟“

”کچھ نہیں ڈیڈی وہاں میری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔“ اس نے نظریں جھکا کر کہا۔ شاید وہ نے دونوں بات بنے کو نارمل انداز میں بات کرتے دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

”ارے بھائی۔“ احد نے مرتضیٰ کو دیکھ کر دور سے ہی چلانا شروع کر دیا اور قریب آ کر حیرت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا مرتضیٰ بول پڑا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں کچھ مت کہنا۔“ تو احد چپ کر گیا۔

”تمہارے لیے کھانا لگاؤں؟“ وہ سب کو بلوہائے کر کے اپنے گھرے میں آ گیا۔ اس کے سر پر ڈیڈی کی ناراضگی کا بھی بوجھ تھا جو اس سے مل کر دور ہو گیا تھا۔ بہر حال جو بھی وہ کسی حد تک نھار مل ہوا ک تھا۔

آج وہ جلدی آفس سے نکل آیا تھا۔ اس نے گاڑی رمشا کے گھر کی طرف موڑ لی۔ وہ کچھ وقت اچھا گزارنا چاہا تھا۔ اسے کے ملازم نے

”اب تم پہلی بار آئے ہو ایسے تھوڑی جانے دوں گی۔ چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔“ وہ ان کے اتنے اصرار پر بیٹھ گیا۔

اس کی نظروں نے بڑی بے تابی سے اس کو ڈھونڈا لیکن وہ نظر نہیں آئی۔ وہ اٹھ کر کھڑی کے پاس آ گیا۔

”ایمی آپ کیوں چائے بنا رہی ہیں میں آ رہی تھی۔“

”اچھا تم چائے دیکھو میں آتی ہوں۔“ تھینہ کچن سے کھل کر لاؤنج میں آئیں تو مرضی کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔

”مرضی تم جانتی ہیں میں ابھی آتی ہوں۔“ ان کی بات پر مرضی نے مسکرا کر سر ہلادیا تو تھینہ میز ہیاں اتر گئیں۔

”ایمی آپ نے پانی میں چینی ڈال دی ہے یا نہیں؟“ کرن کی آواز پر مرضی نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا جواب نہ ملنے پر کرن باہر نکلی تو اس کی نظر سامنے کھڑے مرضی پر پڑی تو اسے صحیح معنوں میں جھکا لگا۔

وہ چند لمحوں تک ایسے ہی کھڑی رہی۔ اسے سامنے دیکھ کر ایک عجیب سا سکون مرضی نے اپنے اندر اترتا محسوس کیا۔ وہ پریشانی جس میں وہ اتنے دنوں سے مبتلا تھا۔ وہ ختم ہو گئی تھی۔ اسے اپنے سوالوں کا جواب مل گیا تھا۔ اسے واقعی کرن سے محبت ہو گئی تھی۔ وہ محض چند لمحوں کی کیفیت نہیں تھی۔ اتنے دنوں اس سے دور رہ کر بھی اس کا ہر وقت اس کے ساتھ ہونا اور اب اسے دیکھ کر عجیب سا سکون اس سے ایک گہرا سانس لیا۔ جیسے ایک تکلیف سے نجات مل گئی ہو۔ کرن نے اپنی نظریں وہاں سے ہٹالیں۔ وہ واقعی اس کے سامنے کھڑا تھا۔

”السلام علیکم۔“ کرن نے سلام کرنے میں پہل کی۔

”ہا۔ وہ اس اذیت سے نجات پا رہا تھا۔“

اچانک اس نے گاڑی روک دی۔ اس نے جہان ہو کر ارد گرد کا جائزہ لیا۔ وہ اپنے اسبا میں تھا لیکن گاڑی کرن کے گھر کے آگے کھڑی تھی۔ وہ کتنی دیر تک باہر ایک کشمکش میں کھڑا رہا۔ ان لوگوں کو یہاں آئے سات ماہ ہو چکے تھے لیکن وہ کبھی بھی یہاں نہیں آیا تھا۔ پھر وہ ہمت کر کے اندر چلا آیا۔ اب اسے سمجھ نہیں آ رہی جانا کہاں ہے۔ جی بیٹا کس سے ملنا ہے آپ کو؟“

”جی وہ تھینہ آئی سے.....“ اس نے جلدی سے کہا تو ان صاحب نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ پھر میز ہیوں کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

”آپ اوپر چلے جائیں۔“ تو وہ میز ہیوں کی طرف کی طرف آ گیا۔ جب وہ اوپر پہنچا تو دروازہ کھلا تھا۔ اس نے ہلکا سا ناگ کیا تو سامنے والے کمرے سے تھینہ باہر آئی۔ جس حیرت سے انھوں نے مرضی کو دیکھا وہ اپنی جگہ پر شرمندہ ہو گیا۔

”ارے مرضی بیٹا تم کیسے راستہ بھول گئے اندر تو آؤ۔“ وہ اس کا بازو پکڑ کر اندر لے آئیں۔ پھر اس کی پیشانی چوم کر اسے بیٹھالیا۔ وہ ان کی اتنی محبت پر شرمندہ ہونے لگا۔

”بیٹا تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں اتنے کمزور ہو گئے ہو۔“ تھینہ نے اس کے چہرے کو دیکھا جو بہت کمزور ہو رہا تھا۔

”بس آئی تھوڑی طبیعت خراب تھی۔“

”آپ کیسی ہیں؟“

”میں بالکل ٹھیک ہوں تم بیٹھو میں آتی ہوں۔“

”آئی پلیز بس آپ سے ملنے آیا تھا اب چلتا ہوں۔“

”علیکم السلام۔“ اس نے مسکرا کر جواب

دیا۔

آج کئی دنوں بعد وہ دل سے مسکرایا تھا۔ وہ مرکز چکن میں آگئی تو ارٹھی اس کے پیچھے چکن میں آگیا اور دروازے میں کھڑا ہو گیا۔ اس وقت اس کی صرف ایک ہی خواہش تھی وہ اس کے سامنے رہے۔ اس نے بلیک شلوار میض پر سفید دوپٹے لے رکھا تھا۔ اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کو محسوس کر کے کرن مڑی تو مرتضیٰ کو دیکھ کر حیران ہو گئی۔

”میل چائے لا رہی تھی۔“ اس نے جلدی سے کہا۔ وہ مرتضیٰ کو وہاں سے ہٹانا چاہتی تھی۔ مرتضیٰ نے سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا۔ بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ اس کا اندازہ اسے آج ہوا تھا یا پھر اس کے دیکھنے کا انداز بدل گیا تھا۔ اب اس کی نظروں میں ایک استحقاق تھا۔

کرن نے اس کے مسلسل کھڑے دیکھ کر اسے دیکھا تو وہ بھی اسے دیکھ رہا تھا اور جن نظروں سے دیکھ رہا تھا وہ اسے پریشان کرنے کے لیے کافی تھیں۔ اس نے کنفیوژ ہو کر رخ پھیر لیا۔ میڑھیوں پر قدموں کی آوازن کر مرتضیٰ باہر نکل آیا۔ تہینہ اسے دیکھ کر مسکرا دیں۔

”ابھی تک کھڑے ہو میں بس ابھی آئی۔“

”نہیں آنٹی میں چلتا ہوں چائے ادھار ہی کل پھر آؤں گا۔“ اس نے تہینہ کو ساتھ لگا کر پیار کیا اور میڑھیوں اتر گیا۔ اور سیٹی پر شوخ سی دھن بجانے لگا۔ وہ جتنا پریشان آیا تھا۔ اب اتنا ہی خوش تھا۔ دو منٹ کے بعد وہ گھر میں تھا۔ علی جو پودوں کو پانی دے رہا تھا اس نے حیرت سے بوائی کی شکل دیکھی جو خود بخود مسکرا رہے تھے۔ اس کو مسکراتا دیکھ کر وہ بھی مسکرا دیا۔

”امی چائے۔“ کرن نے چائے کا کپ تہینہ کو پکڑا یا اور خود اپنے کمرے میں آگئی تو اپنے

پیچھے تہینہ کو آتا دیکھ کر وہ بہت حیران ہوئی کیونکہ وہ بہت کم اس کے کمرے میں آتی تھیں۔

”تم پڑھو بیٹا میں کچھ دیر تمہارے پاس بیٹھنے کے لیے آگئی۔“ اس کے دیکھنے کا تہینہ نے کہا تو وہ کتاب کھول کر پڑھنے لگی۔ پھر دیر بعد اس نے نظر اٹھا کر تہینہ کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا رہی تھیں۔

”امی خیریت آپ کس بات پر مسکرا رہی ہیں۔“ اس نے شرارت سے انھیں دیکھا۔

”میں مرتضیٰ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ آج میں بہت خوش ہوں۔ میں اکثر ایک وہم میں رہا کرتی تھی کہ شاید مرتضیٰ اس رشتے سے خوش نہیں۔ میں اس خیال سے ہی ڈر جاتی تھی لیکن آج مرتضیٰ کو دیکھ کر میرا یہ وہم دور ہو گیا ہے۔“ ماں کی بات پر اس کے مسکراتے لب خاموش ہو گئے تھے۔

تہینہ کب کی اٹھ کر جا چکی تھیں لیکن وہ اسی طرح بیٹھی تھی۔ اب وہ انھیں کیا بتانی کہ وہ آپ کا وہم نہیں حقیقت ہے۔ وہ واقعی اس رشتے سے خوش نہیں لیکن آخری دو ملاقاتوں میں اس کا رویہ بہت عجیب تھا۔ خاص طور پر اس کی نظریں عجیب ہی پیغام دیتی تھیں اور آج اس کا گھر آنا تو بہت عجیب تھا۔

کرن نے تیسری دفعہ گیٹ سے باہر جھانکا تھا۔ پیپر ختم ہوئے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا اور احد کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ آج وہ بہت خوش تھی اس کے تمام پیپر ز اچھے ہوئے تھے صرف ایک ہی باقی تھا لیکن انتظار کی کوفت نے اس کا موڈ خراب کر دیا تھا۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا جو پونے ایک بج رہی تھی۔ پانچ منٹ بعد جب چوتھی بار اس نے باہر جھانکا تو احد کی گاڑی گھڑی تھی۔ وہ غصے سے گاڑی کی طرف آئی اور

کریم میں کھلاؤں۔ تو تھکیس میں آج بہت غریب ہوں۔“ احد نے نکسا جواب دیا۔
”بھائی آپ کے پاس دس روپے بھی نہیں بڑا افسوس ہوا۔“ مگرن نے افسوس ناک انداز میں کہا۔

”چلیں مجھ سے روپے لے لیں آپ میری طرف سے کھالیں۔“ مگرن نے بیک سے پیسے نکالتے ہوئے کہا تو احد مسکرا دیا۔

”یار روزم نے آئس کریم کھانی ہوتی ہے موٹی ہو جاؤ گی۔“ احد نے آئس کریم پارلر کے سامنے گاڑی کھڑی کر دی۔

”جائیں بھی آگے آپ نے در کر دی ہے مجھے گھر جا کر سونا بھی ہے۔“ مگرن احد کو باہر کھڑا دیکھ کر جھنجھا کر کہا۔

”بھائی آپ کون سا فلیور لیں گے؟“ احد کے پوچھنے پر اس نے حیرت سے پہلے احد کو اور پھر جوتھے دیکھا تو صحیح معنوں میں اس کی بولتی بند ہو گئی تھی۔

”کوئی سا بھی لے آؤ۔“ احد کو جواب دینے کے بعد مرتضیٰ نے کرن کی حیران شکل دیکھی۔ اس کے دیکھنے پر کرن نے جلدی سے منہ آگے کر لیا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اسے خود پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ کم از کم اسے پیچھے دیکھ لینا چاہیے تھا۔

”پکڑو۔“ احد نے کپ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے بے دلی سے کپ پکڑ لیا۔ اب اس کی بھوک ہی مرچکی تھی۔

”کیا ہوا کھا کیوں نہیں رہی؟“ احد نے اسے یونہی بیشاد دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔
”کھا رہی ہوں۔“ اس نے کپ میں چمچ گھماتے ہوئے کہا۔

”بھائی پتہ ہے یہ روز آئس کریم کھاتی مستقبل میں آپ کا بہت نقصان ہونے والا ہے۔“

زٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔ اس کو غصے میں دیکھ کر احد مسکرا دیا۔
”ویری فنی۔“ کرن نے منہ میڑھا کر کے کہا تو احد قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

”میں یہاں آدھے گھنٹے سے انتظار کر رہی ہوں اور آپ اب آ رہے ہیں اور پھر اس پر شرمندگی محسوس کرنے کی بجائے مجھے اپنے یہ دانت دکھا رہے ہیں۔“ اس نے احد کے دانتوں کی طرف اشارہ کیا۔

احد نے گاڑی اشارٹ کر دی لیکن وہ مسلسل مسکرا رہا تھا اور اس کی مسکراہٹ دیکھ کر کرن کا بارہ چڑھتا جا رہا تھا۔

”آج آپ اتنا مسکرا کس خوشی میں رہے ہیں؟“ آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

”کیوں مسکراتا ہے؟“ احد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”منع تو نہیں لیکن بغیر وجہ منع ہے۔“

”وجہ سمجھیں معلوم ہوئی تو تمھاری بولتی بند ہو جائے گی۔“ احد نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اچھا.....؟“ کرن نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا لیکن احد نے صرف مسکراتے پر اکتفا کیا۔

”اچھا یہ بتاؤ پیپر کیسا ہوا؟“

”زبردست بہت اچھا اب بس لاسٹ رہ گیا ہے پھر میں آزاد ہو جاؤں گی۔“ اس نے خوش ہو کر کہا۔

”اب آپ جلدی سے آئس کریم کھلائیں۔“

”کیوں.....؟“ احد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”میرے پیپر کے اچھا ہونے کی خوشی میں۔“

”ہیں..... پیپر تمھارا اچھا ہوا ہے اور آئس

ہے۔" احد نے مسکرا کر پیچھے بیٹھے مرتضیٰ سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"مجھے دیر اس لیے ہوئی کیونکہ میں بھائی کے آفس چلا گیا تھا ان کی گاڑی خراب ہو گئی تھی۔" احد نے کرن کو دیر سے آنے کی وجہ بتائی لیکن اس نے کوئی رد عمل ظاہر نہ کیا۔ احد کچھ خاموش رہا لیکن پھر بول پڑا۔

"روز تو تم اتنا بولتی ہو ابھی میرا سر کھا رہی تھی اب کیوں چپ کر گئی ہو؟" احد نے اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"بس ایسے ہی۔" پیچھے بیٹھے ہوئے مرتضیٰ نے بھی اس کی خاموشی کو محسوس کیا تھا وہ جانتا تھا کہ اس کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی ہے۔ اور اس کی وجہ وہ خود تھا۔

اس نے گہرا سانس لے کر سر سیٹ کی پشت سے لگا لیا۔ بعض دفعہ انسان کو ان باتوں کا احساس تب ہوتا ہے جب وقت نکل چکا ہوتا ہے۔ گاڑی کرن کے گھر کے آگے رکی تو وہ جلدی سے اتر گئی۔

"کرن تمہارا اگلا پیپر کب ہے؟" احد کے پوچھنے پر کرن اس کی طرف مڑی۔

"پرسوں۔"

"اچھا پھر کل گھر ضرور آنا۔" اس نے سر ہلا دیا اور پچھلی سیٹ کی طرف دیکھے بغیر گیٹ کے اندر داخل ہو گئی۔

اگلے دن شام کو وہ سب گھر پر تھے تو علی کے کہنے پر وہ ان کے ساتھ کرکٹ کھیلنے لگا۔ آج کل اس کا موڈ بہت خوشگوار رہتا تھا۔ وہ احد اور علی کے ساتھ ان کے ہر کھیل میں شریک رہنے لگا تھا۔

شاہدہ نے ایک نظر مرتضیٰ کی طرف دیکھا جو شارٹ لگانے پر ہنس رہا تھا۔ انھیں اپنے تینوں

بیٹے پیارے تھے۔ لیکن مرتضیٰ میں ان کی جان تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ مرتضیٰ سب سے پہلا بچہ تھا اور احد اور علی بہت بعد میں اس دنیا میں آئے اور اس نے اکیلے اتنے سال ان کا پیار سمیٹا تھا۔

جھپٹے دنوں اس کی ابھی حالت نے انھیں بھی پریشان کر دیا تھا لیکن اب وہ بہت خوش تھا وجہ تو وہ نہیں جانتیں تھیں لیکن ان کے لیے یہی کافی تھا کہ مرتضیٰ خوش ہے انھوں نے جمال احمد کی طرف دیکھا تو وہ بھی ان تینوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ پروین کو چائے کا کہنے اندر چلی گئیں۔

جمال احمد نے شاہدہ کے اٹھنے پر ایک نظر انھیں دیکھا اور پھر دوبارہ ان تینوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آج کل مرتضیٰ کا رویہ ان کے لیے ایک معمہ بنا ہوا تھا۔ جب سے اس کا کرن سے نکاح ہوا۔ وہ سارے گھر سے دور ہو گیا تھا۔ گھلنا ملنا تو وہ پہلے بھی کم تھا۔ لیکن نکاح کے بعد بالکل ہی الگ ہو گیا تھا۔ لیکن وہ اس کی وقتی ناراضگی سمجھ کر ٹال گئے تھے۔ انھیں سب سے زیادہ پیار مرتضیٰ سے تھا اور بان بھی لیکن اس نے ان کا مان توڑ دیا تھا۔ وہ مرتضیٰ کی طرح کرن سے بھی بہت پیار کرتے تھے اور یہ احساس کہ انھوں نے انجانے میں اس سے زیادتی کر دی ہے۔ انھیں بہت تکلیف دیتا تھا۔

اس دن مرتضیٰ کے رویے نے انھیں اہم فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب وہ اس زبردستی کے رشتے کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔

"بکواس یہ آؤٹ نہیں تھا میں نہیں ماننا آپ دونوں چیونگ کر رہے ہیں۔" علی کی تیز آواز پر وہ حال میں لوٹ آئے۔ علی اور مرتضیٰ سے کہا۔

"لو تم بچے ہو تمہیں آرام سے کروانا سیدھی طرح اٹھ جاؤ اور بیٹ دو مجھے تم آؤٹ سے بال لیتے ہو۔"

کرواتا ایک گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔
مرٹضی اس کی طرف بڑھ گیا اور اس کو لے کر
”ہیلو انکل کیسے ہیں آپ؟“
”میں ٹھیک ہوں تم سناؤ؟“

”فائن میں مرٹضی کا پتہ کرنے آئی تھی نہ
آفس میں ملتا ہے نہ باہر اور موبائل بھی اس کا
آف ملتا ہے۔“ اس نے مرٹضی کو دیکھ کر پوچھا۔
”بس آج کل موڈ نہیں ہوتا۔“ جمال احمد
نے بغور مرٹضی کا چہرہ دیکھا۔

”اگر مرٹضی کی خوشی کی وجہ رمشا نہیں تو پھر
کون ہے؟ تو کیا مرٹضی اور رمشا کا رشتہ صرف
دوستی تک ہے۔“ بھی انھوں نے ایک گھنٹی ہوئی
ہنسی سنی تو ان کے ساتھ رمشا اور مرٹضی نے بے
ساختہ مڑ کر دیکھا۔ کرن احد کی کسی بات پر بے
تحاشا ہنس رہی تھی۔ احد اور علی بھی مسلسل ہنس
رہے تھے۔ جمال احمد بے اختیار مسکرا دیئے۔

”انکل لگتا ہے آپ سب کرن سے بہت
پیار کرتے ہیں۔ میں اس دن بھی مرٹضی سے کہہ
رہی تھی کرن اور علی ایک دوسرے کے ساتھ بہت
سوٹ کرتے ہیں۔“ رمشا کی بات پر جمال احمد
نے چونک کر ایسے دیکھا۔

”ہاں واقعی ہم اس سے بہت پیار کرتے
ہیں میں علی کے ساتھ تو نہیں لیکن احد کے بارے
میں سوچ رہا ہوں جلد ہی میں احد اور کرن کی
شادی کر دوں گا۔ تاکہ اس غلطی کی تلافی کر سکوں
جو میں نے کی ہے۔“ آخری جملہ انھوں نے
آہستگی سے ادا کیا تھا لیکن پھر بھی مرٹضی نے سن
لیا تھا اس کے سر پر جیسے دھماکہ ہوا تھا۔ اس نے
بے یقینی سے جمال احمد کی طرف دیکھا لیکن وہ
اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ وہ سامنے دیکھ رہے
تھے۔

”ہمچے ہو۔“ مرٹضی نے بیٹ اس سے لیتے
ہوئے کہا۔

”آپ دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں میں
ایکلا رہ جاتا ہوں۔ میرا بھی پارٹنر ہونا چاہیے۔“
علی نے احتجاج کرتے ہوئے کہا جبکہ احد ان
دونوں کو بحث کرتے ہوئے دیکھنے میں مصروف
تھا۔ پھر علی ایک دم چیخ پڑا۔

”مل گیا۔“ اس کے چلانے پر مرٹضی نے
اُسے دیکھا پھر ان دونوں کی نظر گیٹ سے داخل
ہوئی ہوئی کرن پر پڑی علی بھاگ کر اس کے پاس
پہنچا۔ پتہ نہیں اس سے وہ کیا کہہ رہا تھا وہ مسلسل
لفی میں سر ہلا رہی تھی۔ پھر علی اس کا ہاتھ کھینچ کر
اسے احد اور مرٹضی کی طرف لے آیا۔

”چلیں گیم شروع کریں میں آؤٹ ہو گیا
قصاب میری پارٹنر کرن بیٹنگ کرے گی۔“ اس کی
اس بات پر کرنے نے سٹپنا کر علی کو دیکھا۔
”بھائی مجھے نہیں کھیلنا آتا۔“

”آجائے گا جاؤ شاباش یہ بیٹ لو اور وہاں
جا کر کھڑی ہو جاؤ اور یاد رکھنا یہ میری عزت کا
سوال ہے۔“ علی کے کہنے پر اسے چارو ناچار
بیٹ پکڑنا پڑا چلیں بھائی بال کروائیں۔“ علی نے
مرٹضی کی طرف بال اچھالتے ہوئے کہا جو بہت
غور سے کرن کو دیکھ رہا تھا۔

اس نے ہلکے سے سے بال کروائی تو کرن
نے ایک زوردار شارٹ لگائی تو بال دور جا گری۔
”واہ کرن جیو میرے شیر۔“ علی نے دور
سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ مرٹضی نے
چار بالیں کروائیں اور پھر بال پر وہ شارٹ لگانے
لگا تو احد نے جھنجھلا کر مرٹضی کو دیکھا۔

”بھائی ابھی تو آپ اتنی اچھی باؤلنگ کر
اے تھے اب کیا ہو گیا ہے۔۔۔ مجھے دیں میں
اسے آؤٹ کرتا ہوں۔“ احد نے اس کے ہاتھ
سے بال لیتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ وہ بال

نیک ان کی جان
کہ مرٹضی سب
بت بعد میں اس
اتنے سال ان کا بھار

ی حالت نے انھیں
ب وہ بہت خوش
ان کے لیے یہی
وں نے جمال
تینوں کو دیکھ کر
اند رچی گئیں۔

اٹھنے پر ایک نظر
س کی طرف متوجہ
ان کے لیے ایک
کا کرن سے نکاح
لیا تھا۔ گھٹانا ملنا تو
کے بعد بالکل ہی
تی ناراضگی سمجھ کر

زیادہ پیار مرٹضی
ان کا مان توڑ دیا
ے بھی بہت پیار
ں نے انجانے
ہ۔ انھیں بہت

نے انھیں اہم
وہ اس زبردستی

ما میں نہیں مانا
علی کی تیز
علی اور مرٹضی

ام سے کروانا
مجھے تم آؤٹ

مرتضیٰ نے ایک بار پھر مڑ کر دیکھا جہاں احد اور کرن ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے تھے اور دونوں کسی بات پر مسکرا رہے تھے۔ وہ ایک شاک کی کیفیت میں تھا۔ اس نے بھی سوچا نہ تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ کرن کسی اور کی ہو جائے۔ نہیں وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ اس کے اچانک کھڑے ہونے پر جمال اور رمشا نے چونک کر اسے دیکھا لیکن اسے اس وقت کسی کا دھیان نہیں تھا۔

اس کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہوتا تھا کہ جب بھی اسے غصہ آتا تھا وہ بے قابو ہو جاتا تھا۔ اس لیے سب اس کے غصے سے خوف زدہ رہتے تھے۔ اس نے ایک بار پھر ان کی طرف دیکھا۔ اسے اپنے چاروں طرف ایک آگ دہکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

”علی“ وہ وہیں سے دھاڑا اس کی آواز اتنی سخت تھی کہ ہر شخص اپنی جگہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

”بس کرو یہ کھیل۔“ سب نے حیرت سے مرتضیٰ کے غصے کو دیکھا۔ کچھ دیر پہلے تو وہ بہت خوشگوار موڈ میں تھا۔ مرتضیٰ نے ایک نظر رمشا کی حیران شکل کو دیکھا۔

”سوری رمشا میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں تمہیں کہنی نہیں دے سکتا۔“ یہ کہہ کر وہ لمبے قدم اٹھاتا ہوا اندر چلا گیا۔ رمشا اور جمال احمد نے حیرت سے مرتضیٰ کا غصہ دیکھا۔ لیکن ان دونوں کی حیرت میں فرق تھا۔

کمرے میں آ کر وہ مسلسل یہاں سے وہاں ٹہل رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ڈیڈی ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں۔

”کرن میری بیوی ہے اور احد..... یہ نہیں ہو سکتا۔“ اس نے اپنے دونوں ہاتھ بالوں میں پھنسا لیے۔

”مجھے ڈیڈی سے بات کرنی چاہیے۔“ اس نے اٹھتے ہوئے سوچا لیکن پھر وہ رگ گیا۔ اس کے سامنے کرن کا چہرہ آ گیا۔

”نہیں کرن میری بیوی ہے احد جاننا ہے۔“

”لیکن تم نے کرن سے کہا تھا کہ تم اسے پسند نہیں کرتے اور تم تو اسے اپنی بیوی ماننے سے انکار کر آئے تھے۔“ کوئی اس کے اندر سے بولا تو وہ اپنی کیفیت سے ڈر گیا۔

”میں کرن سے خود بات کروں گا۔“ اس نے خود تسلی دینے کے انداز میں کہا۔

جب وہ نیچے آیا کرن اور رمشا جا چکی تھیں۔ باقی سب نی وی دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی ان کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ کافی حد تک خود کو نارمل کر چکا تھا۔

”احد۔“ مرتضیٰ کی آواز پر احد نے اس کی طرف دیکھا۔

”کرن کو کالج چھوڑنے تو جاتے ہو نہ۔“ احد نے حیران ہو کر مرتضیٰ کو دیکھا۔

”کل اس کا پیپر ہے۔“

”تم رہنے دینا میں اسے چھوڑ آؤں گا اور لے بھی آؤں گا۔“ جمال احمد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا لیکن وہ اٹھ کر جا چکا تھا۔

احد اب تک حیران تھا جبکہ علی مسکرا دیا تھا۔ احد نے ایک نظر باپ کو دیکھا وہ بھی اسے دیکھ رہے تھے۔ نظریں ملنے پر وہ دونوں مسکرا دیئے۔

بارن کی آواز پر وہ تیزی سے نیچے اتری۔

”آج پہلی بار آپ ٹائم پر آئے ہیں خیر تھی؟“ کرن نے گاڑی میں بیٹھے ہی کہا اور جوں ہی اس کی نظر ڈرائیونگ سیٹ پر پڑی اس کے مسکراتے لب سکڑ گئے تھے۔ مرتضیٰ نے غور سے اس کی اس حرکت کو دیکھا تھا۔ شیئرنگ پر اس کی

رکھنا۔“ فوزیہ نے اسے دھمکی دیتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

گیت سے نکلتے ہی اس کی نظر مرتضیٰ پر پڑی جو گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔ اس کو دیکھ کر سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

واؤ یہ کون ہنڈم ہے؟“ فوزیہ نے کرن پر جھک کر سرگوشی کی لیکن اس نے جواب نہ دیا۔ کرن نے گاڑی کی طرف قدم بڑھا دیئے تو فوزیہ بھی اس کے ساتھ آگئی۔

”السلام علیکم۔“ فوزیہ نے مرتضیٰ کو سلام کیا۔

”علیکم السلام میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“ فوزیہ نے مرتضیٰ کو سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

”اس سے پہلے کبھی ہماری ملاقات نہیں ہوئی اس لیے۔“ مرتضیٰ نے اس کی بات سے لطف لیتے ہوئے کہا۔

”بہر حال میں کرن کی دوست ہوں فوزیہ۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔“ مرتضیٰ نے کہا۔

”اب آپ اپنا تعارف کروائیں۔“ فوزیہ نے کہا۔

”میرا تعارف کرن زیادہ اچھی طرح کروا سکتی ہے۔“ مرتضیٰ نے غور سے اس کی شکل دیکھی جو لا تعلقی سے سامنے دیکھ رہی تھی۔

”ہاں ابھی کرن کون ہیں؟“ فوزیہ نے شرارت سے پوچھا تو اس نے ایک نظر مرتضیٰ کے مسکراتے چہرے کو دیکھا اور پھر فوزیہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”یہ احد بھائی کے بڑے بھائی ہیں اس کے علاوہ ہمارا اور کوئی رشتہ نہیں۔“ کرن کی بات پر مرتضیٰ کے مسکراتے لب پہنچ گئے۔

”او تو یہ احد کے بھائی ہیں۔ اچھا کرن میرا

لڑت بخت ہو گئی تھی۔“ تم شاید کسی اور کو اپنی ٹیٹ کر رہی تھی۔“ مرتضیٰ نے اسے دیکھ کر کہا لیکن وہ بولی کچھ نہیں سامنے دیکھنے لگی۔

سارا راستہ ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

”بھئی لینے کب آؤں۔“ اس کے بڑنے پر مرتضیٰ نے پوچھا۔ پہلے اس نے سوچا کہ وہ انکار کر دے لیکن مجبوری یہ تھی کہ وہ اس کی نہیں جاسکتی تھی۔ اس نے ٹائم بتا کر قدم کالج کی طرف بڑھا دیئے۔

پھر ختم ہونے کے بعد وہ مسلسل یہی سوچ رہی تھی احد اسے چھوٹنے کیوں نہیں آیا۔ مرتضیٰ کے ساتھ سے ایسے ابھرنے ہوئی تھی۔ اب بھی اسے یہی پریشانی تھی۔ اس شخص کے ساتھ جانا پڑے گا۔

”ہیلو کرن کیا ہوا اتنی لنگی ہوئی شکل کیوں بنائی ہوئی ہے؟ کیا پیپر اچھا نہیں ہوا؟“ فوزیہ نے اس کے قریب آ کر کہا۔

”کچھ نہیں یا رب اس لیے ہی تمہارا پیپر کیسا

”زبردست۔“ فوزیہ نے مسکرا کر کہا۔

”آج تو آخری پیپر تھا پریکٹیکل میں ابھی بہت دیر ہے تم آؤ گی ہماری طرف؟“ فوزیہ نے کرن سے کہا۔

”مشکل ہے۔“ کرن کے کہنے پر وہ بیگ سے کارڈ نکالنے لگی پھر اس کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ کیا ہے؟“ کرن نے اسے دیکھا۔

”ٹھوٹو تو۔“ فوزیہ نے مسکرا کر کہا۔

”ارے سامعہ باجی کی شادی ہے۔“ کرن نے خوش ہو کر کہا۔

”ہاں اور انھوں نے خاص طور پر تم سے کہا ہے کہ تم نے آنا ہے ورنہ مجھ سے اچھی امید مت

اسے بات کرنی چاہیے۔“ اس نے لیکن پھر وہ رک گیا۔ اس نے آگیا۔

میری بیوی ہے احد چاہتا

کرن سے کہا تھا کہ تم اسے تو اسے اپنی بیوی مانتے سے کوئی اس کے اندر سے بولا تو

خود بات کروں گا۔“ اس راز میں کہا۔

رن اور رمشا جا چکی تھی ہے تھے۔ وہ بھی ان کے

رنگ خود کو نارمل کر چکا

آواز پر احد نے اس کی

نے تو جاتے ہونہ۔“ وہ دیکھا۔

”“

سے چھوڑ آؤں گا اور

ر نے چونک کر اس کی

اچکا تھا۔

ا جبکہ علی مسکرا دیا تھا۔

لکھا وہ بھی اسے دیکھ

دونوں مسکرا دیئے۔

یا سے نیچے اتری۔

تم پر آئے ہیں خبر

بیٹھے ہی کہا اور جوں

ن پر پڑی اس کے

مرتضیٰ نے غور سے

سیئرنگ پر اس کی

ڈرائیور آگیا تم یاد سے شادی پر آنا اور مرتضیٰ بھائی آپ بھی ضرور آئے گا۔ بائے کرن۔
فوزیہ نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے دوسری طرف قدم بڑھا دیئے۔

فوزیہ کے جاتے ہی وہ بھی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ وہ بھی ایک گہری سانس لے کر ڈرائیو تک سیٹ پر آگیا۔ کافی راستہ طے کرنے تک وہ کافی حد تک خود پر قابو پا چکا تھا۔

”تمہارا پیپر کیسا ہوا؟“ مرتضیٰ نے ایک نظر کرن کو دیکھ کر پوچھا جو باہر کے نظارے دیکھنے میں مگن تھی۔

”ٹھیک ہو گیا۔“ اس نے مختصر جواب دیا۔
”آئس کریم کھاؤ گی؟“ کرن نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا لیکن وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ مرتضیٰ کا رویہ اس کے لیے حیران کن تھا۔ اسے چھوڑنے اور پھر لینے آنا اور پھر آرام سے بات بھی کرنا۔

”نہیں مجھے خواہش نہیں۔“ لیکن مرتضیٰ نے گاڑی روک دی اور گاڑی سے اتر گیا۔

تھوڑی دیر جب وہ آیا تو اس کے ہاتھ میں دو کپ تھے اور دونوں چاکلیٹ فلیورز تھے۔ اس نے ایک کپ کرن کی طرف بڑھا دیا لیکن اس نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا۔

”مجھے بھوک نہیں۔“ اس نے دوبارہ یہی جواب دیا۔ لیکن مرتضیٰ نے اپنا ہاتھ پیچھے نہیں کیا تو ٹھیک آ کر کرن نے کپ پکڑ لیا۔

آئس کریم ختم کر کے مرتضیٰ نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔ اپنے بلاک میں ٹرن کرنے پر اس نے ایک نظر کرن پر ڈالی جو بہت خاموش تھی۔

”تمہیں شاید میرا آنا پسند نہیں آیا ورنہ تم اتنی خاموش تو نہیں رہتی ہو۔“ مرتضیٰ کے پوچھنے پر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

گاڑی جب گیٹ کے آگے رکی تو مرتضیٰ

نے اسے دیکھا۔

”کرن میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟“
کرن نے غصے سے اسے دیکھا۔

”میرا آپ کا کوئی ایسا رشتہ نہیں بننا جس کے تحت میں خود کو آپ کے سوال کا جواب دینے کی پابند سمجھوں۔“ اتنا کہہ کر وہ گاڑی سے اتر گئی۔ ایک تکلیف دہ احساس مرتضیٰ کے چہرے پر بٹھ گیا۔ اب جب وہ اس کے لیے پاگل ہو رہا تھا اسے اس رشتے کا احساس ہو گیا تھا۔ تو اسے اس رشتے کی چاہ نہیں رہی تھی۔ اس نے گاڑی واپس موڑ لی۔

رات کے دو بج رہے تھے لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ پچھلے ایک گھنٹے سے ٹیرس پر کھڑا تھا۔ چاندنی رات نے رات کی خوبصورتی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا مسلسل اس کے بالوں سے اٹھکیلیاں کر رہی تھیں۔ وہ اپنی کیفیت پر حیران تھا۔ اس نے سنا تھا محبت انسان کو بے بس کر دیتی ہے۔ وہ اکثر مودی میں جب دیکھتا تھا کہ ایک انسان ایک لڑکی کے لیے اپنا سب کچھ برباد کر دیتا ہے خود کو بدل لیتا ہے تو وہ بہت مذاق اڑاتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر لڑکی اس سے محبت نہیں کرتی تو دنیا میں لڑکیوں کی کمی تو نہیں یہ نہ سہی تو اور سہی اب جب اس کے ساتھ ایسا ہوا تھا تو وہ سہہ نہیں پار ہا تھا۔ وہ کرن سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھا۔

آج اگر اس کے دوست یا اس کے اپنے گھر والے یہ جان جائیں کہ آج اس کی جو حالت ہے اس کی وجہ ایک لڑکی اور وہ بھی کرن تو شاید کوئی یقین نہ کرے۔ اس نے سگریٹ سلگا کر ہونٹوں سے لگایا۔ آج سے پہلے اس نے بھی سگریٹ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا لیکن پچھلے کچھ گھنٹوں میں وہ پورا ایک پیکٹ ختم کر چکا تھا۔ یہاں بھی وہ اکثر ہیروز کا مذاق اڑاتا تھا جو ہیروز کے غم میں

”مرقظی تمہیں کوئی پریشانی ہے۔“ شاہدہ کے پوچھنے پر وہ چونک کر اٹھیں دیکھنے لگا۔

”جی نہیں تو ماما آپ کو ایسا کیوں لگا۔“

اپنی دن بدن عجیب ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسا کچھ نہیں مامرات کو دیر سے سویا تھا تو جمال احمد نے نظر اٹھا کر بغور اس کے اترے چہرے اور سرخ آنکھوں کو دیکھا۔

”بھائی آپ کی حالت تو مجھوں سے ملتی جلتی ہو گئی ہے۔“ قلی کی بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

”یار نہ تو میری شیو بڑھی ہے کیونکہ میں ابھی شیو کر کے آ رہا ہوں نہ ہی بال بھرے ہیں اور نہ ہی کپڑے پیٹے ہیں پھر تمہیں کیوں ایسا لگا؟“ مرقظی علی کی بات سے کافی محظوظ ہوا تھا۔

”تمہیں کیفیات کچھ ایسی ہیں نہ آپ کو بھوک لگتی ہے اور تو اور رات کو آپ ٹیرس پر کھڑے ہو کر تارے بھی گنتے ہیں۔“

”تو اس کا مطلب ہے تم میری جاسوسی کرتے ہوتے تھے۔“

”میں نے رات کو آپ کو ٹیرس پر دیکھا سو کہہ دیا۔“

”بھائی آپ کو کوئی پرالہم ہے تو بتائیں نا؟“ احد جو اتنی دیر سے خاموش تھا وہ بھی بول پڑا۔

”یار ایسا کچھ نہیں تم سب خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو۔“ وہ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔

”ناشہ تو پورا کرو۔“ اس نے ایک بریڈ بھی پورا نہیں لیا۔ تھا۔ شاہدہ نے اس کی پلیٹ دیکھ کر کہا لیکن وہ جاچکا تھا۔

شام کو جب وہ گھر آیا تو لان میں اس نے ڈیڈی ماما کے ساتھ تہینہ آنٹی کو دیکھا تو سیدھا وہیں آ گیا۔ سلام کرنے کے بعد وہ وہیں بیٹھ

ٹراپ چٹا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا خیال تھا انسان کو مضبوط ہونا چاہیے یہ کمزور لوگوں کے ہمارے ہیں لیکن آج وہ بھی ایسا کر رہا تھا۔ کرن کی محبت نے اسے کمزور بنا دیا تھا۔ اسے اس وقت اس سے محبت ہوئی جب وہ اس سے پوری طرح مل گیا ہو چکی تھی۔ اگر ڈیڈی نے احد اور کرن کی نہیں..... نہیں نہیں اللہ میاں آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے میں کرن کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر اللہ سے دعا کی۔ بے بسی سے وہ وہیں زمین پر دیوار کے ساتھ ٹک لگا کر بیٹھ گیا اور اپنا سر گھٹنوں پر ٹکا دیا۔

”کرن میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ میرے ساتھ ایسا مت کرو مجھے بہت تکلیف ہوئی ہے تمہارے رویے سے۔“

کرن کا رویہ یاد آنے پر اس کی آنکھوں سے دو قطرے نکل کر زمین پر گرے۔ وہ جو اتنا مضبوط تھا بڑی بڑی تکلیف کو آرام سے سہہ جاتا تھا۔ اس کے غصے سے سب پناہ مانگتے تھے۔ جس نے جب چاہا پالیا۔ زندگی کے ہر موڑ پر کامیابی نے اس کے قدم چومے تھے۔ آج ایک لڑکی نے اسے اتنا کمزور بنا دیا تھا کہ وہ اس کے لیے رو رہا تھا۔ اس سے جدائی کا احساس اسے سہا رہا تھا۔ آسمان ہر چمکتے چاند اور ستاروں نے دکھ سے اسے دیکھا۔ اٹھکیلیاں کرتی ہوا بھی اب گم صم ہو گئی تھی۔

”گڈ مارننگ ایوری باڈی۔“ مرقظی نے ڈاننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا تو سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے تو اس نے مسکرا کر بریڈ اٹھا لی جام لگاتے ہوئے اس نے محسوس کیا۔ سب اسے دیکھ رہے ہیں خیریت ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔“ وہ سب کے چہرے دیکھنے لگا۔

اس نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔ اسے دیکھا۔ کا کوئی ایسا رشتہ نہیں بنتا جس آپ کے سوال کا جواب دیتا۔ اٹھا کہہ کر وہ گاڑی سے اتر کر احساس مرقظی کے چہرے پر اس کے لیے پاگل ہو رہا تھا۔ اس نے گاڑی سے اتر کر

رہے تھے لیکن نیند اس کی رہ گئی۔ وہ پچھلے ایک لمحے باندنی رات نے رات کی فہ کر دیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا سے اٹھکیلیاں کر رہی حیران تھا۔ اس نے سنا کہ ایک انسان ایک برباد کر دیتا ہے خود کو یا اڑاتا تھا۔ اس کا کہنا نہیں کرتی تو دنیا میں تو اور کتنی اب جب سہہ نہیں پار رہا تھا۔ ہونے کو تیار نہ تھا۔ اس کے اپنے گھر اس کی جو حالت ہے اس کرن تو شاید کوئی بٹس سلا کر ہونٹوں نے کبھی سگریٹ کو کچھ گھٹنوں میں وہ یہاں بھی وہ اکثر روکن کے غم میں

گیا۔ ”بھابی مرضی دن بہ دن کمزور ہوتا جا رہا ہے۔“ تہینہ نے پریشانی سے اسے دیکھا تو شاید وہ بھی اسی موضوع پر بات کرنے لگیں تو وہ ان دونوں کی باتیں سننے کے ساتھ مسکراتا رہا۔

”آج کرن نہیں آئی؟“ جمال احمد کے پوچھنے پر مرضی بھی ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”نہیں جب میں آئی تھی تو سو کر اٹھی تھی پیچہ کی تحن اتار رہی ہے۔“ اتنا کہہ کر وہ پھر شہدہ کی طرف متوجہ ہو گئیں تو مرضی کھڑا ہو گیا۔

”ڈیڈی میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔“ وہ تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

جب وہ کرن کے ہاں پہنچا تو دروازہ کھلا تھا۔ وہ سیدھا اندر آ گیا۔ لاؤنج میں کوئی نہ تھا لیکن میں برتنوں کی آواز سن کر وہ اس سمت چلا آیا۔ کرن شاید برتن دھو رہی تھی۔ اس کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ کمر سے نیچے آتے ہوئے بال اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ جو ہلکے ہلکے گیلے تھے۔ شاید وہ ابھی نہا کر نکلی تھی۔ جو تہی وہ پٹنی اپنی جگہ ختم سی گئی۔ دروازے پر مرضی کھڑا تھا۔ اس نے جلدی سے کرسی پر پڑا دوپٹہ اٹھ کر خود پر لیا۔

”میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔“ مرضی کے کہنے پر وہ اس کو دیکھنے لگی۔

”میں تم سے یہ پوچھنے آیا ہوں تم میرے ساتھ ایسا ہی ہو کیوں کرتی ہو؟ تمہیں میری موجودگی بڑی کیوں لگتی ہے؟“ اس کی بات پر کرن نے حیران نظروں سے اسے دیکھا اور جب بولی تو اس کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

”میرا نہیں خیال میرے پسند کرنے یا نہ کرنے سے آپ کو کوئی فرق پڑتا ہے۔“

”مجھے تمہارے پسند کرنے یا نہ کرنے سے فرق پڑتا ہے۔ کرن تم میری بیوی ہو۔“ اس کی

بات پر کرن نے تڑپ کر جواب دیا۔

”میں نہیں ہوں آپ کی بیوی یہ بات کلی ماہ پہلے آپ مجھے کہہ چکے ہیں وہ رشتہ صرف کاغذ تک محدود ہے اچھا ہوا آپ نے بات خود شروع کر دی آپ اس رشتے کو ختم کر دیں میں اب مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر آپ انکل سے بات نہیں کر سکتے تو میں خود کر لوں گی۔“ اس کی بات پر مرضی نے دکھ سے اسے دیکھا۔

”لیکن میں اس رشتے کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔“

”لیکن میں چاہتی ہوں میں آپ کی مرضی کی پابند نہیں جب آپ نے کہا ختم تو ختم جب آپ نے کہا نہیں ختم تو نہیں ختم کیوں؟“ میری مرضی کوئی نہیں؟ مجھے آپ کے ساتھ سے ہی ابھرن ہوئی ہے۔ آپ کے لیے سب کہا آسان ہے لیکن آپ اس اذیت کو نہیں سمجھ سکتے جو میں نے برداشت کی ہے۔ ہر پل ایک ڈرکب کیا ہو جائے آپ کو کیا پتہ دکھ کیا ہوتا ہے۔ اذیت کیا چیز ہے۔“ بات کرتے کرتے اس کی آواز رندھ گئی۔ لیکن جلدی ہی اس نے خود پر قابو پالیا۔

”میں اب آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔“ اتنا کہہ کر وہ باہر نکل آئی۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ کتنی دیر ایسے ہی کھڑی رہی وہ بھی اتنی بہادر نہیں رہی تھی اور خاص طور پر مرضی سے وہ بہت ڈرتی تھی۔ لیکن آج پتہ نہیں وہ کیسے اتنا بول آئی تھی۔ شاید اتنے دن سے مرضی کے نرم رویے کی وجہ سے وہ یہ فیصلہ کر گئی تھی۔

کرن کے باہر نکلنے کے بعد وہ کافی دیر اپنی جگہ پر ساکت کھڑا رہا اتنی نفرت۔ اس نے کرب سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

”آپ کو کیا پتہ دکھ کیا ہوتا ہے اذیت کیا چیز ہے۔“ کرن کی آواز اس کے کانوں میں

سے جانتی تھی کہ اس نے بازو اپنے گرد لپیٹ کر اس کو اپنے گھر سے مٹا لے لیا۔ کرن نے خود کو بچرانے کی کافی کوشش کی لیکن اس کی گرفت کافی سخت تھی۔ ڈر اور شرم کے مارے اس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ جب وہ خود نہ چھڑا سکی تو اس نے رو بنا شروع کر دیا۔

”تم سے بات کرنے آیا تھا لیکن تم نے تو..... خیر جو تم کہہ چکی ہو وہ ضرورت سے زیادہ تھا۔ اب تک میں نے بہت برداشت کیا ہے حالانکہ یہ میری عادت نہیں لیکن اب مزید نہیں..... ہاں تو تم کہہ رہی تھی تمہارا بھائی کوئی رشتہ نہیں چلو ٹھیک ہے ایسا ہی سہی کاغذ کا تعلق تو ہے نا اور اس حساب سے ہم ہوئے میاں بیوی اور میاں بیوی کا رشتہ تو بہت قریبی ہوتا ہے۔“ اس نے ”قریبی“ پر زور دے کر کہا۔ کرن کو ایسا لگ رہا تھا کہ اس کا دل ابھی باہر آ جائے گا۔

”اب تم میری بیوی ہو تم میرا پورا حق ہے۔“ مرتضیٰ کی بات پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ مرتضیٰ کی آنکھوں میں جو نظر آیا اس نے اس کے پورے جسم میں سستی پیدا کر دی تھی۔

”آپ ایسا نہیں کر سکتے۔“ اس نے روتے ہوئے کہا۔

”میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔“ مرتضیٰ نے اپنی گرفت مزید سخت کرتے ہوئے کہا۔

”تم نے کہا کہ تم اب مزید مجھے برداشت نہیں کر سکتی تمہیں مجھ سے ابھن ہوئی ہے چلو صرف آج برداشت کر لو پھر شوق سے جو مرضی کرنا۔“ مرتضیٰ نے اپنا چہرہ اس کے بالوں کے قریب کر کے ان کی خوشبو کو اپنے اندر کھینچا۔

کچھ دیر بعد کرن نے اپنے بالوں اور پھر اپنی گردن پر مرتضیٰ کی سائیں محسوس کیں تو اسے

موجھنے لگی تو اس نے جھٹکے سے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

”مجھ سے بہتر اس اذیت کو اور کون سمجھ سکتا ہے۔“ اس نے خود کلامی کی۔

”میں آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا چاہتی۔“ ایک بار پھر کرن کی آواز اس کے کانوں میں گونجی تو اس نے مٹھیاں بچھ کر اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس میں ناکام رہا۔ اب اور نہیں کرن میں اب اور نہیں برداشت کر سکتا۔“ اس نے قدم کرن کے کمرے کی طرف بڑھا دیئے۔

اس نے زور سے دروازے کو دھکیلا تو دروازہ ایک زوردار آواز سے کھل گیا۔ آواز پر کرن ڈر کر اچھل پڑی۔ اس سے پہلے کہ وہ بچھتی اس نے مرتضیٰ کو اندر داخل ہوتے اور پھر اپنے پیچھے دروازہ لاک کر رہے ہوئے دیکھا۔ دروازہ لاک کرتے دیکھ کر کرن اپنی جان نکلتی محسوس ہونے لگی۔

”دروازہ..... کیوں..... بند کیا؟“ ڈر کے مارے اس سے بولنا مشکل ہو رہا تھا۔

مرتضیٰ نے ایک نظر اس کے خوفزدہ چہرے کو دیکھا اور قدم اس کی طرف بڑھا دیئے۔ اپنی طرف قدم بڑھاتا دیکھ کر وہ پیچھے ہٹنے لگی۔ یہاں تک کہ وہ دیوار سے جا لگی۔

”آپ جائیں یہاں سے ورنہ..... ورنہ میں شور مچاؤں گی۔“ کرن نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

”شوق سے مچاؤ شور۔“ مرتضیٰ نے اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو کرن بھاگ کر اس کی سائیڈ سے نکلی۔ اس سے پہلے کہ وہ دروازے تک پہنچتی مرتضیٰ نے اس کا بازو پکڑ لیا اور جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور سیدھی اس کے سینے

ٹپ کر جواب دیا۔

وہ آپ کی بیوی یہ بات کئی ماہ سے چلے ہیں وہ رشتہ صرف کاغذ کا شے کو ختم کر دیں میں اب رکتی۔ اگر آپ انکل سے خود کر لوں گی۔“ اس کی سے اسے دیکھا۔

رشتے کو ختم نہیں کرنا

ہوں میں آپ کی مرضی نے کہا ختم تو ختم جب نہیں ختم کیوں.....؟

آپ کے ساتھ سے کے لیے سب کہا ذہن کو نہیں سمجھ سکتے ہر مل ایک ڈر کب دکھ کیا ہوتا ہے۔ تے کرتے اس کی اس نے خود پر قابو

تعلق نہیں رکھنا

اپنے کمرے

بارہی وہ بھی بھی

در پر مرتضیٰ سے

میں وہ کیسے اتنا

مرتضیٰ کے نرم

کافی دیر اپنی

اس نے

ہے اذیت کیا

کانوں میں

اپنے پاؤں میں سے جان نکلتی محسوس ہونے لگی۔
اس میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ وہ اسے پیچھے کر
سکے۔ اسے لگا اب کچھ دیر اور ہوئی تو بہت غلط
ہوگا۔

”مرتنضی پلیز ایسے مت کریں میں آپ
کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے معاف کر دیں۔“
اس نے بری طرح روتے ہوئے کہا تو مرتنضی جو
اس کے قرب میں پاگل کر گیا تھا وہ ایک دم سبھل
گیا۔ اس نے اس کے گرد بے اپنے دونوں بازو
بٹالے۔

کرن نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا وہ
بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک کی نظروں میں ڈر
تھا جبکہ دوسرے کی نظروں میں عجیب سا تاثر تھا۔
کرن نے نظریں جھکا لیں اور وہیں زمین پر بیٹھ
گئی۔ آنسو قطرہ قطرہ اس کی آنکھ سے بہہ رہے
تھے۔ اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

مرتنضی نے ایک نظر اس کو کانپتے دیکھا تو وہ
دوڑا نو ہو کر اس کے سامنے بیٹھ گیا اور اس کے
دونوں ہاتھوں کو پکڑ لیا تو کرن نے سہم کر اس کی
طرف دیکھا۔

”ایسے مت دیکھو آگے میں نے بڑی
مشکل سے خود پر قابو پایا ہے۔“ مرتنضی کے شوخ
لہجے پر اس نے گہرا کرینچے دیکھنا شروع کر دیا اس
کے ہاتھ اب بھی اس کے ہاتھوں میں لرز رہے
تھے۔

”تم اتنی خوبصورت کیوں ہو کرن؟“
مرتنضی نے دائیں ہاتھ سے اس کے بالوں کو پیچھے
کرتے ہوئے سرگوشی کی تو وہ سٹ کر پیچھے ہو گئی۔
مرتنضی نے مسکرا کر اس کی اس حرکت کو دیکھا۔

”ابھی تو تم اتنا بول رہی تھی اب کوئی بات
ہی نہیں کر رہی۔“ اس کی بات پر کرن نے دونوں
ہاتھوں میں اپنا منہ چھپا لیا اور زور سے رونے
لگی۔

اس نے کبھی کسی سے بدتمیزی نہیں کی تھی
آج پہلی بار اس نے کسی سے ایسے بات کی تھی
اور اب اس کی سزا بھگت رہی تھی۔ اس نے مرتنضی
کو غصے میں دیکھا تھا لیکن اس کی باتوں پر وہ اس
طرح ری ایکٹ کرے گا یہ اس نے سوچا ہی نہیں
تھا۔ اس کے اس طرح رونے پر مرتنضی شرمندہ
ہو گیا۔ اس کا مقصد کرن کو تنگ کرنا نہیں تھا۔ وہ تو
صرف اس سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن پتہ نہیں
اس کو چھوتے ہی اسے خود پر قابو نہیں رہا تھا اور
اب اس طرح اس کا رونا اسے شرمندہ کر رہا تھا۔

”کرن بند کرو رونا ورنہ پھر مجھے۔“ اس
نے جان بوجھ کر اگلے الفاظ ادھورے چھوڑ دیئے
اور اس کی توقع کے عین مطابق کرن نے رونا بند
کر دیا تھا۔

”اب ایک بات میری دھیان سے سنو۔“
اس نے انگلی سے اس کی ٹھوڑی اوپچی کی اور سختی
سے بولا۔

”مجھے انکار سننے کی عادت نہیں جس طرح
آج تم نے کیا ہے آئندہ ایسا نہ ہو تم میری بیوی ہو
یہ بات یاد رکھنا میں کسی قیمت پر بھی تمہیں نہیں
چھوڑوں گا چاہے تم مجھے برداشت کرو یا تمہیں
میرے ساتھ سے الجھن ہو تمہاری زندگی میں
میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہونا چاہیے تم صرف
میری ہو تمہیں صرف ایک نام یاد ہونا چاہیے
مرتنضی..... مائنڈاٹ۔“ اس نے انگلی اٹھا کر کہا۔
اور ہاں ڈیڈی سے کسی قسم کی بات کرنے کی
کوشش نہ کرنا ورنہ میں کچھ بھی کر سکتا ہوں اور اس
کا تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا۔“

اس نے کھڑے ہو کر ایک نظر اسے غور سے
دیکھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ کافی دیر اس
پوزیشن میں بیٹھے رہنے کی وجہ سے اسے اٹھنے میں
کافی دشواری ہوئی۔ لیکن وہ اٹھ کر بیڈ پر آ کر
لیٹ گئی۔ اس کے بعد اسے کچھ ہوش نہیں رہا تھا۔

سے اس کے زرد چہرے کو دیکھا۔ ایک ہی رات میں وہ اتنی کمزور ہوئی تھی۔

”پتہ نہیں آتی مجھے خود پتہ نہیں چلا۔“ اس نے سر جھکایا تو جمال احمد جو غور سے اسے دیکھ رہے تھے اس کے دائیں طرف آکر بیٹھ گئے اور بازو اس کے شانے پر پھیلا لیا۔

”کرن اگر کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ اپنے انکل کو نہیں بتاؤ گی۔“ جمال احمد کے بات کرنے کی دیرھی وہ ان کے ساتھ لگ کر رونے لگی۔

”انکل مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“

”کس سے بیٹا؟“ انھوں نے اس کا چہرہ اونچا کر کے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی اس نے دروازے کے پاس کدے پر مرضی کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے الفاظ کہیں اندر ہی گم ہو گئے۔

”ہاں بیٹا بولو کس سے ڈر لگ رہا ہے؟“

”بے ایسے ہی۔“ وہ ان سے غلجھہ ہو کر آنسو صاف کرنے لگی۔ سبھی تہینہ ٹرائی لے کر اندر آ گئیں۔ ساتھ ہی مرضی نے سب کو لڈر تک سر د کرنے کے بعد انھوں نے سوپ کا باؤل اس کی طرف بڑھایا۔

”میرا دل نہیں کر رہا۔“ اس نے تہینہ کو دیکھ کر کہا۔

”بیٹا پیو اس طرح بھوکے رہنے سے کمزوری بڑھ جاتی ہے۔ آگے ہی دیکھو کتنی ویک لگ رہی ہو۔“ جمال احمد کے کہنے پر مرضی نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ واقعی ایک دن میں وہ کافی کمزور ہو گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر شرمندہ ہو گیا۔ یہ سب اسی کی وجہ سے ہوا تھا۔

”بیٹا پیو۔“ شاہدہ نے بھی اصرار کرتے ہوئے کہا تو وہ بے بسی سے ہونٹ چبانے لگی۔

”پلیز آنٹی میرا بالکل بھی دل نہیں چاہ

جب اسے ہوش آیا تو تہینہ اس کے سر ہانے بیٹھیں تھیں۔

”کرن گڑیا کیا ہو گیا تھا تمہیں؟“ تہینہ نے اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر پوچھا تو اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

”کرن بیٹا کچھ تو بول۔“ اس کے اس طرح آنکھیں بند کرنے پر تہینہ گھبرا گئیں۔

”امی میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے مسکرا کر انھیں تسلی دی تو وہ غور سے اس کے زرد چہرے کو دیکھنے لگیں۔ جب وہ گھر آئی تھیں تو وہ بے سدھ بستر پر پڑی تھی۔ کئی دفعہ آواز دینے پر بھی جب وہ نہیں اٹھی تو انھوں نے گھبرا کر جمال احمد کو فون کر دیا۔ وہ اسی وقت ڈاکٹر کو لے آئے۔ ڈاکٹر کے بقول کسی ٹینشن یا ڈر کی وجہ سے بے ہوش ہوئی ہیں۔ سب نے اسے پیپر زکی ٹیشن سمجھا تھا جبکہ جمال احمد سوچ میں پڑ گئے تھے۔

ساری رات وہ انجکشن کے زیر اثر سوئی رہی۔ اب صبح اس کی آنکھ کھلی تھی۔

”میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاؤں؟“

”نہیں امی مجھے بھوک نہیں۔ بیٹا کل سے تم نے کچھ نہیں کھایا میں کچھ لانی ہوں۔“ تہینہ اٹھ کر باہر نکل گئیں تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سبھی باہر سے آوازیں آنے لگیں۔

وہ ابھی اندازہ کر رہی تھی کہ جمال انکل آنٹی اور علی آگے پیچھے اندر داخل ہوئے۔

”لڑکی یہ کیا تماشا تھا تمہیں ہم کو تنگ کرنے میں مزہ آتا ہے؟“ احد نے ہمیشہ کی طرح اس کی چوٹی کھینچ کر کہا تو وہ پھینکی سی ہنسی ہنس دی۔

”یہ آپ کے لیے۔“ علی نے بڑی تیز سے جھک کر گلاب کی کلی اسے پکڑائی تو وہ کھل کر مسکرا دی۔

”بیٹا تمہیں ہوا کیا تھا۔“ شاہدہ نے غور

یہ ایسے بات کی تھی۔ اس نے مرضی اس کی باتوں پر وہ اس نے سوچا ہی نہیں دے پر مرضی شرمندہ لگ کر نہیں تھا۔ وہ تو اچھا تھا لیکن پتہ نہیں تھا بونٹیں رہا تھا اور شرمندہ کر رہا تھا۔ نہ پھر مجھے۔“ اس غور سے چھوڑ دینے کرن نے روتا بند

سیان سے سنو۔“ اوچی کی اور سختی

میں جس طرح امیری بیوی ہو گی تمہیں نہیں کرو یا تمہیں زندگی میں ہے تم صرف ہوتا چاہیے اٹھا کر کہا۔ ت کرنے کی وں اور اس

سے غور سے اتنی دیر اس اٹھنے میں پر آ کر رہا تھا۔

آئی تھی۔
اس کا مطلب
انتہائی مسکرا دے
رہا ہے ہوا۔
میلور
میں اس کی
دی۔
میں
رہے ہو۔
انداز میں
لگا کر فیس
بالکل
ہوں۔
تھیک
کرتے ہیں
وا۔
کہہ کر مرتضیٰ
نظروں
کے
کھانے
مسکرا دیا۔
میں
کرتے
کرتے
کہا۔
میں
ہوں۔

گھور رہا تھا۔
”کیا کہا.....؟“ انھیں یقین نہیں آ رہا تھا۔
انھوں نے تصدیق کے لیے دوبارہ پوچھا۔
”مما اتنی تہینہ سے کرن کی رخصتی کی بات
کریں۔“ مرتضیٰ نے ایک ایک لفظ پر زور دے
کر کہا تو شاہدہ نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اس کا
چہرہ چوم لیا۔
”مرتضیٰ تم نہیں جانتے تم نے مجھے کتنی بڑی
خوشی دی ہے۔“ شاہدہ کا چہرہ واقعی اس وقت ان
کے جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا۔
”مما آپ آج ہی بات کریں اور اسی ماہ
کی ڈیٹ لیں۔“ مرتضیٰ کے دو ٹوک انداز پر
شاہدہ نے حیرت سے مرتضیٰ کو دیکھا آج تو وہ
انھیں جھٹکے پر جھٹکا دے رہا تھا۔ اس کی اتنی بے
تالی انھیں حیران کر رہی تھی۔ کہاں تو کرن کو
دیکھتے ہی اس کو غصہ آ جاتا تھا اور کہاں اب یہ
حال تھا کہ فوراً رخصتی کی بات کر رہا تھا۔
”بیٹا اتنی جلد بازی ٹھیک نہیں میں جانتی
ہوں تہینہ اتنی جلدی رخصتی نہیں کرے گی۔ ابھی تو
کرن کے ایگزیمز بھی ختم نہیں ہوئے۔“ ان کا
اشارہ اس کے پریکٹیکلز کی طرف تھا۔
”مما کرن امتحان یہاں آ کر بھی دے سکتی
ہے۔ آپ پلیز میری خاطر پلیز ممما۔“ مرتضیٰ نے
ان کے گرد اپنے بازو حائل کرتے ہوئے کہا تو
شاہدہ مسکرا دیں۔
”اتنا مسکا لگانے کی ضرورت نہیں۔ جمال
آتے ہیں تو میں ان سے بات کرتی ہوں۔“
”بھینکس۔“ مرتضیٰ نے ایک بار پھر ان کا
شکر یہ ادا کیا اور باہر نکل گیا۔ اس کو جاتا دیکھ کر
شاہدہ مسکرا دیں۔ وہ مرتضیٰ کے روپے پر حیران
تھی وہ ہمیشہ اپنی بات منوانے کا قائل تھا۔ اس
طرح خوشامد کرنا اس کا انداز نہیں تھا۔ اتنے دنوں
سے اس کے رویے کی تبدیلی کی وجہ انھیں اب سمجھ

رہا۔ اس نے باؤل کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تو سب
خاموش ہو گئے۔
انگل اب سب کو کوئی واقعہ سنار ہے تھے۔
سب بڑے غور سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔
وہ بھی سن رہی تھی لیکن اس کا دھیان مسلسل نیچے تھا
کیونکہ وہ جانتی تھی کہ مرتضیٰ اسے ہی دیکھ رہا
ہے۔ اسے اس طرح بیٹھا دیکھ کر تہینہ نے اس کا
ہاتھ پکڑ لیا۔
”بیٹا تھوڑا سوپ پی لو۔“ انھوں نے سوپ
والا پیچ اس کے منہ کے آگے کیا۔ لیکن اس نے منع
کر دیا۔
”کرن سوپ پی لو۔“ مرتضیٰ کی آواز پر اس
کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی۔ مرتضیٰ کے کہنے پر
تہینہ نے ایک بار پھر پیچ اس کے ہونٹوں کے
قریب کیا۔ اس نے سوپ پی لیا۔ انھوں نے
حیرت سے اسے دیکھا۔ ان کا خیال تھا وہ منع کر
دے گی۔ تہینہ کے ساتھ ساتھ سب نے حیرت
سے پہلے کرن کو اور پھر مرتضیٰ کو دیکھا۔ ان سب
کے اس طرح دیکھنے پر مرتضیٰ جھینپ کر مسکرا دیا۔
”اچھا آئی میں چلتا ہوں۔“ وہ ایک دم
باہر نکل گیا تو جمال احمد نے مسکرا کر اسے جاتے
دیکھا۔
مرتضیٰ کے نکلتے ہی کرن کی کب سے رکی
ہوئی سانس بحال ہوئی۔

”مما مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔“
مرتضیٰ نے کچن میں مصروف شاہدہ سے کہا۔
”ہاں بیٹا کہو۔“ شاہدہ نے اسی مصروف
انداز میں کہا۔
”مما..... آپ..... وہ تہینہ آئی سے رخصتی
کی بات کریں۔“ مرتضیٰ کی بات پر شاہدہ کے
چلتے ہوئے ہاتھ رک گئے۔ انھوں نے خوشگوار
حیرت سے مرتضیٰ کو دیکھا جو سر جھکائے زمین کو

کہا۔
 ”تو میرا کیا ہوگا؟“ رمشا کے کہنے پر اس نے چمچ پیٹ میں رکھ دیا اور اسے دیکھ کر بولا۔
 ”دیکھو رمشا میں نے بھی تمہیں اس نظر سے نہیں دیکھا اور نہ ہی بھی میں نے تم سے اظہار محبت کیا ہے۔ یہ تم بھی جانتی ہو ہم ابھی دوست ہیں اور آگے بھی ہو سکتے ہیں اگر تم چاہو تو۔ ڈیڈی نے میری مرضی کے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کیا اس کا مجھے افسوس تھا۔ لیکن اب مجھے ڈیڈی کی چوٹ پر غور ہوتا ہے۔“ رمشا نے غور سے مرضی کے چہرے پر پھیلے خوبصورت رنگوں کو دیکھا۔ اسے اس لڑکی پر رشک محسوس ہوا جس کے ذکر نے مرضی کو ارد گرد سے بے خبر کر دیا تھا۔

وہ لڑکی واقعی خوش قسمت تھی جس کو مرضی ملا خاص کر مرضی کی محبت..... شدید محبت۔ اس کا نام ہے کرن۔ تم جانتی ہو؟“ مرضی نے کہا تو رمشا کی آنکھوں میں کرن کا چہرہ گھوم گیا۔

”تمہیں پتہ ہے رمشا سے تھوڑے ہی عرصے میں میں اسے اتنی محبت کرنے لگا ہوں کہ کبھی کبھی مجھے خود یقین نہیں آتا۔“ اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت وہاں ہو کر بھی رمشا کو وہاں نہیں لگ رہا تھا۔

”میں چلتی ہوں۔“ وہ ایک دم کھڑی ہو گئی تو مرضی ایک دم جیسے ہوش میں آ گیا۔ وہ پتہ نہیں کیا کیا کہہ گیا تھا کرن کا احساس اسے ہمیشہ بے خود کر دیتا تھا۔

”رمشا اگر میری وجہ سے تمہیں دکھ پہنچا ہو تو سوری۔“ رمشا نے ایک نظر حیرت سے مرضی کو دیکھا کیونکہ مرضی بھی سوری نہیں کرتا تھا۔ پھر وہ افسردگی سے مسکرا دی۔ یہ بھی یقیناً کرن کی نسبت کا کمال تھا جس نے مرضی کو بدل دیا تھا۔ وہ بوجھل قدموں سے باہر نکل گئی۔

آئی فم کی چاہ نے اسے سراپا بدل دیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کرن کا جادو چل گیا۔ وہ بے اختیار مسکرا دیں۔ آفس چمچنے پر اس کا پہلا ٹکراؤ رمشا سے ہوا۔
 ”ہیلو رمشا کیسی ہو؟“ اس نے خوشگوار لہجے میں اس کی خیریت دریافت کی تو وہ بھی مسکرا

دیا۔ ”میں تو ٹھیک ہوں تم سناؤ بہت خوش لگ رہے ہو۔“ آج کافی دنوں بعد وہ اپنے پرانے انداز میں واپس آیا تھا۔ رمشا کی بات پر وہ قہقہہ ہنسنے لگا۔

بالکل ٹھیک میں واقعی آج بہت خوش ہوں۔

”ٹھیک ہے تو اس خوشی میں آج لہجہ اکٹھے کرتے ہیں۔“ رمشا نے مرضی کا چہرہ دیکھ کر کہا۔
 ”وائے ناٹ لیج ٹائم میں ملتے ہیں۔“ یہ کہہ کر مرضی نے قدم بڑھا دیئے۔ رمشا کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔

”کیا بات ہے بہت خوش ہو؟“ رمشا نے کھانے کے دوران پوچھا تو مرضی بے ساختہ مسکرا دیا۔

”میں شادی کر رہا ہوں۔“
 ”کس سے؟“ رمشا نے حیرت سے مرضی کو دیکھا۔ ایک خوش فہمی اس کے اندر جاگی۔

”اسی سے جس سے نکاح ہو چکا ہے۔“
 پیٹ میں چمچ چلاتا رمشا کا ہاتھ وہیں رک گیا۔
 ”یو مین..... تم..... لیکن تم تو اسے پسند نہیں کرتے تھے۔“ رمشا نے شک کی کیفیت میں کہا۔

”میں اسے پسند نہیں محبت کرنے لگا ہوں۔“ مرضی نے رمشا کی حیران شکل دیکھ کر

میں یقین نہیں آ رہا تھا۔
 ”لے دو بارہ پوچھا۔“
 کرن کی رخصتی کی بات۔
 ایک لفظ پر زور دے
 خستہ آگے بڑھ کر اس کا

تم نے مجھے کتنی بڑی
 واقعی اس وقت ان
 تھا۔

ت کر س اور اسی ماہ
 دو نوک انداز پر
 نو دیکھا آج تو وہ

اس کی اتنی بے
 کہاں تو کرن کو
 اور کہاں اب یہ

یہاں تھا۔
 نہیں میں جانتی
 ہے گی۔ ابھی تو

ہوئے۔“ ان کا
 تھا۔
 کبھی دے سکتی

ما۔ مرضی نے
 نے ہوئے کہا تو
 نہیں۔ جمال

ہوں۔“
 بار پھر ان کا
 د جاتا دیکھ کر

پے پر حیران
 نل تھا۔ اس
 اتنے دنوں
 میں اب سمجھ

دیکھ کر فوراً تسلی دی۔
 ”کون سی بات ماما؟“ احد نے ماں کو دیکھ کر پوچھا۔
 ”وہ ہم دراصل سوچ رہے تھے کہ کرن کی رخصتی کی بات کریں۔ اب پتہ نہیں چل رہا کہ کیا ارادہ ہے۔“ شاہدہ کے کہنے پر احد اور علی اپنا جگہ اچھل پڑے۔
 ”اور آپ ہمیں اب بتا رہی ہیں آپ ابھی چلیں۔“ احد نے ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔
 ”تمہارے ڈیڈی تو آ جائیں۔“ شاہدہ کے کہنے پر علی نے موبائل فون نکال لیا۔
 ”میں ڈیڈی کو فون کرتا ہوں۔“
 ”باو لے ہو گئے ہو انھیں گھر تو آنے دو۔“ شاہدہ نے فون اس کے ہاتھ سے لے لیا اور علی مسلسل شاہدہ سے اصرار کرنے لگا تو مرضی وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ دونوں اب ماما اور ڈیڈی کو لے کر ہی جائیں گے۔

تھوڑی دیر پہلے فوزیہ اسے چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ کپڑے تبدیل کر کے سونے کی تیاری کر رہی تھی۔ جب تہینہ اس کے کمرے میں آئیں۔
 ”آج شاہدہ احد اور علی آئے تھے۔“ انھوں نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ حیرت سے انھیں دیکھنے لگی کہ ”اس میں نئی بات کون سی ہے۔“ اس کا مطلب سمجھ کر تہینہ مسکرا دی۔
 ”وہ تمہاری رخصتی کی بات کرنے آئے تھے۔“ ان کی بات پر کرن کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔
 ”لیکن امی میرے پریکٹیکل اور پھر مجھے ایم ایس سی ضرور کرنا ہے۔“ اس نے سر جھکا کر کہا۔
 ”میں نے بھی ان سے یہی کہا تھا لیکن

”کیا ہو رہا ہے بھی؟“ مرضی نے سب کو اسٹے دیکھ کر پوچھا۔
 ”آپ کی شادی کو ڈسکس کر رہے ہیں۔“ علی نے شرارت سے کہا تو وہ بھرپور طریقے سے مسکرا دیا۔
 ”میں تو کہہ رہا تھا آپ کی شادی ہو تو میرا نمبر آئے کب سے میں اس گھڑی کا انتظار کر رہا تھا۔“ احد نے شرارت سے کہا۔
 احد کی بات پر مرضی نے ایک سکون سادل میں اترتا محسوس کیا۔ ورنہ ڈیڈی کی بات پر عجیب سی پریشانی اس کے دل میں رہتی تھی۔
 ”میرے لیے لڑکی کرن ڈھونڈے گی۔“ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ ماما آپ کو میرے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔
 ”تمہاری فکر میں کر بھی نہیں رہی تم خواہ مخواہ پاگل ہو رہے ہو۔ تمہارا تو وہ حال ہے بے گانی شادی میں عبد اللہ دیوانہ۔“ شاہدہ کے کہنے پر وہ منہ بسور کر رہ گیا۔ جبکہ علی اور مرضی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

احد نے ایک زوردار ہاتھ علی کو پیچھے لگایا تو اس کی ہنسی کو بیک لگ گئے۔ وہ غصے سے احد کو گھورنے لگا۔
 ”اور بھائی آپ بھی زیادہ خوش نہ ہوں۔“ شادی کے بعد آپ کو پتہ چلے گا کرن کتنی ڈفر ہے۔“
 ”تو تمہیں کیا تکلیف ہے میری بیوی ہے میرے ساتھ رہ کر خود غم نہ ہو جائے گی۔“ مرضی کی بات پر پانی پیتے علی کو اچھو لگ گیا۔ احد کا بھی منہ کھلے کا کھلا رہ گیا جبکہ شاہدہ مسکرا دیں۔
 ”آپ نے ڈیڈی سے بات کی؟“
 ”نہیں بیٹا نام ہی نہیں ملا۔ لیکن تم فکر نہ کرو میں آج ہی کرتی ہوں۔“ شاہدہ نے مرضی کا چہرہ

”آئی اب میں جاؤں؟“ کرن نے
شہادہ سے کہا۔

”بیٹا بس دو منٹ۔“ شہادہ نے تو وہ وہیں
کھڑی ہوئی۔ اچانک اس کی نظر سامنے کھڑے
مرضی کی پڑی جو بڑے غور سے اسے ہی دیکھ رہا
تھا۔ اس نے جلدی سے رخ موڑ لیا۔ اس کی اس
حرکت پر مرضی بے اختیار مسکرا دیا اور اس کی
طرف بڑھنے لگا۔

اسے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر اس کی
دھڑکن تیز ہوئی تھی۔

”چلو بیٹا۔“ شہادہ کے باہر آتے ہی اس
نے سکون کا سانس لیا۔ اور مرضی بھی وہیں رک
گیا۔

”بیٹا کوئی کام تھا؟“ شہادہ نے اسے پکڑے
پکڑے کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

”پروین کہاں ہے یہ کپڑے پر لیس
کروانے تھے۔“

”وہ تو ابھی گھر گئی ہے کرن بیٹا پلیز فرم
پر لیس کر دو۔“ شہادہ کہہ کر واپس کچن میں مڑ گیا۔
تو اس نے مرضی کی طرف دیکھے بغیر کپڑوں کی
طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ مرضی نے کپڑے پکڑتے
ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو کرن کو کرنٹ سا لگا۔
اس نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا۔

”کپڑے پر لیس کر کے میرے کمرے میں
لے آنا۔“ وہ جلدی سے آئرن اسٹینڈ کی طرف
آگئی۔ جب تک اس نے کپڑے پر لیس کیے
پروین آچکی تھی۔ اس نے کپڑے پروین کے
ہاتھ چھوادیے اور خود علی اور احد کے پاس آگئی۔
تاکہ وہ اسے چھوڑ آئیں لیکن وہ لوگ کتھوں سے
لڑنے میں مصروف تھے۔

”کیا تکلیف ہے تم لوگوں کو سارے کمرے
کو کباڑ خانہ بنا دیا ہے۔ اتنے بڑے ہو گئے ہو
عقل نام کی نہیں۔“ شہادہ نے کمرے کی حالت

بھابی بہت زور دے رہی تھیں وہ کہہ رہی تھیں
مرضی بڑا بے قرار ہو رہا ہے۔“ انھوں نے
شرارت سے کرن کا گال چھوا تو وہ ہنس ہوئی۔
تھینہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

کرن نے خوشگوار حیرت سے ماں کو دیکھا
کیونکہ وہ کبھی ایسے نہیں ہستی تھیں۔ تھینہ نے اس
کی حیرت دیکھی تو مسکرا کر دونوں ہاتھوں میں اس
کا چہرہ تھام لیا۔

”کرن میں تمہیں بتا نہیں سکتی میں کتنی خوش
ہوں میرا خیال ہے بھابی کی بات مان لینی
چاہیے۔“ تھینہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور
پھر بولیں۔

”میں نے مرضی کی آنکھوں میں تمہارے
لیے اب محبت دیکھی ہے اور مجھے یقین ہے وہ
تمہیں بہت خوش رکھے گا اور تم تو بہت خوش
قسمت ہو جس کو اتنے چاہنے والے لوگ ملے
ہیں۔“ انھوں نے بڑی محبت سے اس کے
چہرے کو دیکھا جو خوبصورت رنگوں سے سج گیا
تھا۔

”اور جو محبت کریں انھیں زیادہ انتظار نہیں
کروانا چاہیے۔“ تھینہ نے ایک بار پھر شرارتی
انداز میں کہا تو کرن بے اختیار ان کے گلے لگ
گئی۔ اس کی حرکت پر وہ مسکرا دیں۔

”چلو اب سو جاؤ مجھ بھی نیند آ رہی ہے۔“
تھینہ نے اس کے سر پر چپت لگائی تو وہ مسکرا دی۔

آفس سے آ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں
آگیا۔ آج وہ آفس سے جلدی آگیا تھا۔ کیونکہ
دوستوں کے ساتھ اس کا ڈنر کا پروگرام تھا۔ وہ
کپڑے سلیکٹ کرنے کے بعد شرٹ اور پینٹ
لے کر نیچے آگیا تاکہ پروین کو پر لیس کرنے کے
لیے دے سکے۔ میز ہیوں سے اترتے ہی اس کی
پانی نظر کرن پر پڑی جو کچن سے نکل رہی تھی۔

”احد بنے ماں کو دیکھا

وہج رہے تھے کرن کی
ب پتہ نہیں بحال کا کیا
پنے پر احد اور علی اپنا جگر

بتا رہی ہیں آپ ابھی
پکڑتے ہوئے کہا۔
آ جائیں۔“ شہادہ
انکال لیا۔
ہوں۔“

گھر تو آنے دو۔“
سے لے لیا اور علی
لگا تو مرضی وہاں
بڑھ گیا کیونکہ وہ
رڈیڈی کو لے کر

چھوڑ کر گئی تھی۔
ا تیاری کر رہی
ب آئیں۔
آئے تھے۔“
وئے کہا تو وہ
ما میں نئی بات
ہ کر تھینہ مسکرا

لرنے آئے
ہاتھوں کے

پھر مجھے ایم
ہکا کر کہا۔
لہا تھا لیکن

دیکھ کر دونوں کو ڈانٹا تو وہ شرافت سے ہٹ گئے۔
حیرت انگیز طور پر آج انھوں نے کرن سے زیادہ
بات بھی نہیں کی تھی۔ دونوں اگنور کر رہے تھے۔
اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر گھر جاتی پر وین

آئی۔

”وہ جی مرتضیٰ بھائی نے یہ شرٹ دی ہے وہ
کہہ رہے ہیں کہ اسے دوبارہ استری کر کے لے
کر آئیں۔“ پروین نے دانتوں کی نمائش کرتے
ہوئے گولا بلی شرٹ اس کے آگے کر دی۔

پروین کے کہنے کی دیر تھی احد اور علی کا ہنس
ہنس کر برا حال ہو رہا تھا۔ وہ باقاعدہ کارپٹ پر
لوٹ پوٹ ہو رہے تھے جبکہ شاہدہ بھی کھل کر ہنس
پڑی تھیں۔ شرم کے مارے اس سے سراٹھایا نہیں
جارہا تھا۔

”جاؤ بیٹا اسے پر لیں کر کے خود دے آؤ۔“

شاہدہ نے مسکراہٹ روک کر کہا تو وہ اسی طرح سر
جھکائے آرن اسٹینڈ کی طرف آ گئی۔ وہ جتنی
کوشش کر رہی تھی کہ اسے مرتضیٰ کے سامنے نہ جانا
پڑے اسے اتنی ہی ناکامی ہو رہی تھی۔ شرٹ
پر لیں کر کے وہ میزٹیوں کی طرف بڑھی تو اپنے
چہچہے اس نے احد اور علی کے کھانسنے کی آواز سنی۔
میزٹیوں پر رکھتے ہوئے اس کے قدم من من کے
ہو رہے تھے۔

”بھابی بیگم ذرا دھیان سے جائیے گا۔“

اسے پیچھے سے علی کی آواز سنائی دی تو وہ تیزی
سے میزٹیوں پر چڑھنے لگی۔

مرتضیٰ کے کمرے کے باہر کافی دیر کھڑی
رہی۔ اندر جانے کی اس کی ہمت نہیں ہو رہی
تھی۔ وہ شاید ایسے ہی کھڑی رہتی کہ دروازہ کھل
گیا۔ مرتضیٰ جو اتنی دیر ہو جانے پر شرٹ لینے آ رہا
تھا اس کو سامنے سر جھکائے کھڑا دیکھ کر بے ساختہ
مسکرا دیا۔

دروازہ کھلنے پر وہ بھی چونک کر سامنے

دیکھنے لگی جہاں مرتضیٰ بڑی شوخ نظروں سے اسے
ہی دیکھ رہا تھا۔ مرتضیٰ نے جینز کے اوپر بغیان
پہن رکھی تھی۔ اس نے جلدی سے نظریں جھکا
لیں۔ مرتضیٰ نے بڑی دلچسپی سے اس کی اس
حرکت کو دیکھا۔

”زہ ہے نصب وہ آئے ہمارے اور اپنے

کمرے میں خدا کی قدرت بھی ہم ان کو اور پھر
انہی کو دیکھتے ہیں۔“ مرتضیٰ کے اپنے حسب حال
شعر بنانے پر ہنسی تو بہت آئی لیکن وہ ضبط کر گئی۔

”آپ کی شرٹ۔“ کرن نے شرٹ آگے
کر دی۔

”مسز مرتضیٰ اندر تو تشریف لائیں۔“

مرتضیٰ نے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کہا۔ مسز
مرتضیٰ کہنے پر بڑی تیزی سے اس کے چہرے کا
رنگ بدلا تھا۔

”وہ آئی نے مجھے بلوایا ہے آپ کی

شرٹ۔“ اس نے جلدی سے شرٹ اس کی طرف
اچھالی۔ اس کے بھاگنے کی نیت دیکھ کر مرتضیٰ نے
جلدی سے اس کا بازو پکڑ کر اسے اندر کھینچ لیا۔

”جان مرتضیٰ کوئی بات آرام سے بھی مان
لیا کرو۔“ مرتضیٰ نے دوسرے ہاتھ سے دروازہ
بند کرتے ہوئے کہا۔ اس کے دروازہ بند کرنے
اور طرز تنحاطب پر اس کی ہمت جواب دینے لگی
تھی۔

مرتضیٰ نے اس کا بازو چھوڑ دیا اور قریب ہو

کر کھڑا ہو گیا۔

”بھئی میری طرف بھی دیکھ لیا کرو میں اتنا

خوفناک تو نہیں بلکہ میں نے تو سنا ہے بہت ہندسم
ہوں۔“ وہ جانتا تھا وہ کیوں اسے دیکھنے سے کترا
رہی تھی۔ کبھی اس کا اس حالت میں رمشا کا دیکھنا

بہت برا لگا تھا لیکن کرن کا اس طرح جھجکنا اسے

بہت مزہ دے رہا تھا۔ اس نے مسکراہٹ روک کر

کرن کو دیکھا تو اپنی نظریں زمین پر گاڑے

مرضی نے اس کے ہاتھ کی تیسری انگلی میں
موجود انگلی کو پھیرتے ہوئے کہا۔ پھر ایک گہرا
سانس لے کر بولا۔

”میں یہ بھی نہیں سمجھ سکا کہ صرف تم کو ایک
کیوں؟“ یہی تو مجھے یقین نہیں آتا کہ میں تم
سے اتنی شدید محبت کیسے کرنے لگا ہوں۔ اگر کسی
پل میں یہ سوچوں کہ تم مجھے نہیں ملو گی تو مجھے اپنی
سائیس رتی محسوس ہونے لگی ہیں۔ تم نے کیا جادو
کیا ہے مجھ پر۔“ مرضی نے ایک بار پھر اس کا
چہرہ دیکھا تو اب کی بار اس نے اپنی نظریں جھکا
لیں۔

”یہ تو ہوتا ہی تھا مرضی جمال احمد آپ کو مجھ
سے محبت ہونی ہی تھی کیونکہ میں نے اپنے اللہ
سے آپ کی محبت مانگی تھی اور اللہ اپنے بندوں کو
بھی مایوس نہیں کرتا اور آپ تو تھے تیرے تو
آپ کی محبت بھی مجھے ہی ملنی چاہی تھی۔ بے
شک وہ خدا رحیم اور کریم ہے اور سچے دل سے کی
جانے والی دعا وہ بھی رد نہیں کرتا۔“
”کچھ بولو گی نہیں؟“

اسے مرضی کی آواز پر اس نے چونک کر
اسے دیکھا۔ اس نے شاید کچھ پوچھا تھا اس کو
خاموش دیکھ کر وہ پھر بولنے لگا۔

”یہ سب باتیں میں اس لیے تم سے کہہ رہا
ہوں کہ تمہارے دل میں کوئی غلطی نہ رہے۔
میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا
رہوں گا۔ تمہیں اگر مجھ سے کوئی شکایت ہو تو بتاؤ
میں درست کرنے کی کوشش کروں گا۔“ کرنے
نے ایک نظر اسے دیکھ کر کئی میں سر ہلا دیا تو مرضی
مطمئن ہو کر مسکرا دیا۔

”میں جاؤں؟“ کرن کے پوچھنے پر وہ
شرارت سے مسکرا دیا۔

”میرا خیال ہے اب تم یہیں رہ جاؤ۔“ اس

”کرن تم مجھ سے اتنا ڈر کیوں رہی ہو؟“
مرضی نے اس کے قریب جھک کر پوچھا۔

پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھالیا اور خود
ٹھٹھوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ کرن
نے حیرت سے اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں شروع کہاں
سے کروں۔“ مرضی نے اس کا بایاں ہاتھ پکڑتے
ہوئے کہا۔

”اس دن جو کچھ میں اس کے لیے بہت گھٹی
پلی کر رہا ہوں میرا ارادہ تمہیں پریشان کرنے کا
نہیں تھا میں صرف تم سے بات کرنے آیا تھا لیکن
تمہاری باتوں نے مجھے اتنا مشتعل کر دیا تھا کہ

میں خود پر قابو نہیں رکھ سکا۔ میں یہ بھی برداشت
نہیں کر سکتا کہ تم میرے علاوہ کسی کی ہو جاؤ۔ بس
میں تمہاری جدائی کے خیال سے ڈر گیا تھا۔“

کرن نے غور سے اس کی شکل دیکھی۔
”میں نے آج سے پہلے بھی کسی کے لیے
وہ محسوس نہیں کیا جو میں تمہارے لیے کرتا ہوں۔
اگر میں نے کسی سے محبت کی ہے تو وہ صرف تم
ہو۔“ مرضی نے تم پر زور دے کر کہا۔

”ہاں میری صرف یہ غلطی ہے کہ میں نے
انہما کرنے کے لیے غلط طریقہ اختیار کیا۔ لیکن
تمہاری اتنی بے رخی پر اتنا غصہ کرنا تو میرا حق بنتا
ہے نا۔“ مرضی نے اس کی آنکھوں میں جھانک

کر کہا۔ کرن پلک جھپکے بغیر اس کو دیکھے جارہی
تھی۔

”میں جانتا ہوں میں نے تمہیں دکھ دیا
لیکن تمہاری محبت میں گرفتار ہونے کے بعد میں
جس اذیت سے گزر رہا ہوں تم اس کا اندازہ نہیں کر
سکتی۔ لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب

تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں تمہیں اتنی
بہت دوں گا کہ تم وہ سب تکلیف بھول جاؤ گی۔“

”میں جانتا ہوں میں نے تمہیں دکھ دیا
لیکن تمہاری محبت میں گرفتار ہونے کے بعد میں
جس اذیت سے گزر رہا ہوں تم اس کا اندازہ نہیں کر
سکتی۔ لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب

تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں تمہیں اتنی
بہت دوں گا کہ تم وہ سب تکلیف بھول جاؤ گی۔“

”میں جانتا ہوں میں نے تمہیں دکھ دیا
لیکن تمہاری محبت میں گرفتار ہونے کے بعد میں
جس اذیت سے گزر رہا ہوں تم اس کا اندازہ نہیں کر
سکتی۔ لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب

نے جلدی سے نظر لگا کر
ی دیکھی سے اس کی اس

ہ آئے ہمارے اور اسے
رست بھی ہم ان کو اور پھر

نی کے اپنے حسب حال
مئی لیکن وہ ضبط کر گئی۔
کرن نے شرٹ آگے

تو تشریف لائیں۔
ٹیک لگا کر کہا۔ مزے
سے اس کے چہرے کا

بلوایا ہے آپ کی
شرٹ اس کی طرف
ت دیکھ کر مرضی نے

سے اندر کھینچ لیا۔
آرام سے بھی مان
ہاتھ سے دروازہ

دروازہ بند کرنے
جواب دینے لگی

دیا اور قریب ہو

ہ لیا کرو میں اتنا

ہے بہت ہنڈم
دیکھنے سے کترا

ر مشا کا دیکھنا
ح جھپکنا اسے

ا ہٹ روک کر
ن پر گاڑے

کی آنکھوں میں چھپی شرارت اب اس کے لبہ
میں نمود آتی تھی۔ اس سے پہلے وہ پھر آؤٹ آف
کنٹرول ہوتا کرن نے اپنا ہاتھ چمڑا کر دروازے
سے باہر دوڑ لگا دی۔

”یار جانے سے پہلے ہاتھ تو ملاتی جاؤ۔“
”منہ دھو رہیں۔“ کرن نے مڑ کر اسے
جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔

”کوئی بات نہیں بچو آنا تو تمہیں یہیں پر
ہے نا۔“ مرضی نے پیچھے سے کہا تو سیڑھیاں
اترنے سے پہلے اس نے اسے اٹکھٹا دکھایا اور
جلدی سے سیڑھیاں اترنے لگی۔ اپنے پیچھے اس
نے مرضی کا بھرپور قہقہہ سنائی دیا جس نے اس
کے چہرے پر مسکراہٹ سجائی تھی۔
آج ہر چیز نکھر گئی تھی۔ ہر وہم دور ہو گیا تھا۔
سیڑھیاں اترتے ہی اس کی مدد بھیر جمال احمد سے
ہوئی۔

”خیریت تو ہے میرا بچہ خود ہی خود مسکرا رہا
ہے؟“

”نہیں تو اکل۔“ کرن نے جلدی سے
چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

”کرن بھائی نے کیا کہا؟“ احد نے اس
کے قریب آ کر رازداری سے پوچھا تو وہ سخت
زور سے ہوئی۔

”آپ خود ان سے پوچھ لیں۔“ یہ کہہ کر
اس نے دوڑ لگا دی۔

مرضی نے آخری دفعہ اپنے بالوں میں
برش کرتے ہوئے آنچے میں خود کو دیکھا اور
مطمئن ہو کر برش نیچے رکھ دیا۔ بھی جمال احمد اس
کے کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کو دیکھ کر وہ
ایک دم خوش ہو گیا۔

”ڈیڈی آپ کو کوئی کام تھا تو مجھے بلا لیا
ہوتا۔“ وہ مسکراتے ہوئے ان کے پاس آ گیا تو
انہوں نے ایک نظر اس کے مسکراتے ہوئے

چہرے کو دیکھا اور پھر صوفے پر بیٹھ گئے اور غصہ
سے پیچرز نکال کر ٹیبل پر رکھ دیے۔

”مجھے ان پیچرز پر تمہارے سائن
چاہئیں۔“

”کیسے پیچہ بنے ہیں ڈیڈی؟“ اس نے فر
سے باپ کی شکل دیکھی جو غیر معمولی سنجیدہ دکھائی
دے رہے تھے۔ وہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

”یہ طلاق کے پیچہ ہیں ان پر سائن کر کے
خود کو آزاد کر لو۔“ جمال احمد کی بات پر وہ اپنی جگہ
ساکت ہو گیا۔ اس نے نظریں اٹھا کر باپ کو
دیکھا وہ اس قدر شکوہ تھا کہ اس سے بولا نہیں
رہا تھا۔ یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ
ڈیڈی ایسا کر سکتے ہیں۔ اس کے نزدیک تو سب
سچ ہو گیا تھا۔

”مرضی اس پر سائن کر دو میں اس غلطی کی
تلافی کرنا چاہتا ہوں جو میں نے کچھ ماہ پہلے کی
تھی۔ تم اپنی مرضی سے شادی کر سکتے ہو تم سے
کوئی کچھ نہیں کہے گا اور میں نے اپنی چوائس تم پر
تھوپ لی اس لیے میں شرمندہ ہوں ناؤ سائن
اٹ۔“ وہ مسلسل انہی کو دیکھے جا رہا تھا۔

اس نے ایک سیکنڈ کے لیے بھی اپنی آنکھ
نہیں جھپکی تھی اس کو لگ رہا تھا اس کی دھڑکن بند
ہو چکی ہے پھر اس نے اپنے گالوں پر کی محسوس کی
تھی جمال احمد بغیر کسی تاثیر کے اس کا چہرہ دیکھ
رہے تھے۔

”ڈیڈی میں ایسا نہیں کر سکتا۔“ اس نے خود
کہتے ہوئے سنا۔

”لیکن مرضی میں کرن کو مزید دکھ
برداشت کرنے کے لیے تمہارے ساتھ نہیں رکھ
سکتا جب وہ تمہیں پسند ہی نہیں تو پھر انکار کا کیا
جواز۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے تم سائن کر دو۔“
لیکن مرضی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ وہ اٹھ کر سائن
زمین پر بیٹھ گیا اور اپنا سر ان کے گھٹنوں پر رکھ

ہے۔ لیکن وہ یہ سب اس کے منہ سے سننا چاہتے تھے۔ اس لیے وہ پیچھے ہٹ کر انھوں نے کافی دیر پہلے تیار کر دئے تھے اس کے پاس لے کر گئے لیکن اس بار بھی مرضی کا رویہ ان کی توقع کے برعکس تھا۔ اس کی شکایت کنڈیشن نے ان پر ظاہر کر دیا تھا کہ بات پسند سے بھی آگے نکل چکی ہے اور اس نے واضح طور پر اقرار کیا تھا کہ وہ کرن سے محبت کرتا ہے اور کرن۔۔۔۔۔ اس کے دل کا حال تو انھوں نے اس کی ایک مسکراہٹ سے لگا لیا تھا۔ پھر کسی طرح تھیندی کی رضامندی لی اور ایک مہینے میں شادی کے سب انتظامات کیے وہ ایک الگ کہانی ہے۔

انھوں نے فضا میں رچی گاؤں کی مہک کو اپنے اندر اتارا اور پھر ایک بار اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جہاں احمد کی کسی بات پر مرضی نے قہقہہ لگایا تھا۔ خوشی اس کے ہر انداز سے ظاہر ہو رہی تھی۔ مرضی کے قہقہے نے ان کے ہونٹوں پر بھی تبسم بکھیر دیا تھا۔ پھر انھوں نے کرن کو دیکھا جہاں ایک مسلسل دھیمی مسکان نے اس کے چہرے کی خوبصورتی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔

جب اسے ہال میں لایا گیا تھا تو ایک پل کے لیے انھوں نے بھی اسے نہیں پہچانا تھا۔ وہ جو اتنی سادہ رہتی تھی بالکل بچوں والی حرکتیں تھیں آج تو اس کا روپ ہی نرالا تھا۔ وہ تو لگ ہی نہیں رہی تھی کہ اس زمین کی ہے۔ ایسا لگتا تھا کوئی پری لال کپڑوں میں زمین پر اتر آئی ہو۔ انھوں نے ان دونوں کو نظروں کے حصار میں لے کر دائمی خوشیوں کی دعا کی اور اپنے رب کا شکر ادا کیا جس نے ان کی دعاؤں کی لالچ رکھ لی تھی۔

”ڈیڈی یہاں آئیں۔“ علی کے آواز دینے پر وہ اس کی طرف چل دیے۔ کیونکہ فیما فوٹو ان کے بغیر ادھوری تھی۔

☆☆☆

”ڈیڈی میں اس کے بغیر رہنے کا تصور بھی کر سکتا۔ پلیز ڈیڈی میری ایک مسئلہ کی اتنی سی سزا مت دیں پلیز ڈیڈی میں کرن کے بغیر رہ سکتا۔۔۔۔۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔“ وہ مسلسل ایک ہی جملے کی تکرار کر رہا تھا۔ احمد نے اپنا دایاں ہاتھ مرضی کے سر پر رکھ کر ایک نظر سامنے بڑے پیچھے زکود دیکھا۔

”میں آج بہت خوش ہوں آج میرا خواب سچ ہوا۔ حقیقت کا روپ دھار کر میرے منے موجود ہے۔“ جمال احمد نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا جہاں کرن اور مرضی

ن اور دولہا کے روپ میں بیٹھے تھے۔ کرن میں بہت پیاری تھی وہ جانتے تھے انھوں نے مرضی کی مرضی کے بغیر اپنا بڑا قدم اٹھایا ہے اور اس کی توقع کے مطابق مرضی نے کافی ہنگامہ بھی لیا تھا۔ لیکن وہ سمجھتے تھے وقت کے ساتھ ساتھ وہ ایک ہو جائے گا۔ لیکن اس دن انھوں نے مرضی جس طرح کا رویہ کرن کے ساتھ دیکھا اس نے انھیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ

رشتے کو ختم کر دینا چاہتے تھے لیکن مرضی کے امریکہ چلے جانے کی وجہ سے معاملہ التوا میں گیا اس کی واپسی پر۔ لیکن پہلا جھکا انھیں تب جب انھوں نے رمشا سے احمد اور کرن کی

بات کی بات کی تو اس کا ایک دم طیش میں آ جانا۔ پھر احمد کو منع کر کے خود کرن کو لانے کی بات کرنا۔ پھر مرضی کا کرن کے گھر جانا اس کے کہنے پر ان کا بلا چوں چہ اسو پ پنا۔ ان سب باتوں نے انھیں بہت کچھ سمجھا دیا تھا اور ان کی سوچ نے ان کا روپ تب دھاراجب شاہدہ نے ان سے کہا کہ مرضی رخصتی کے لیے زور دے رہا ہے تو یقین ہو گیا کہ مرضی کرن کو پسند کرنے لگا